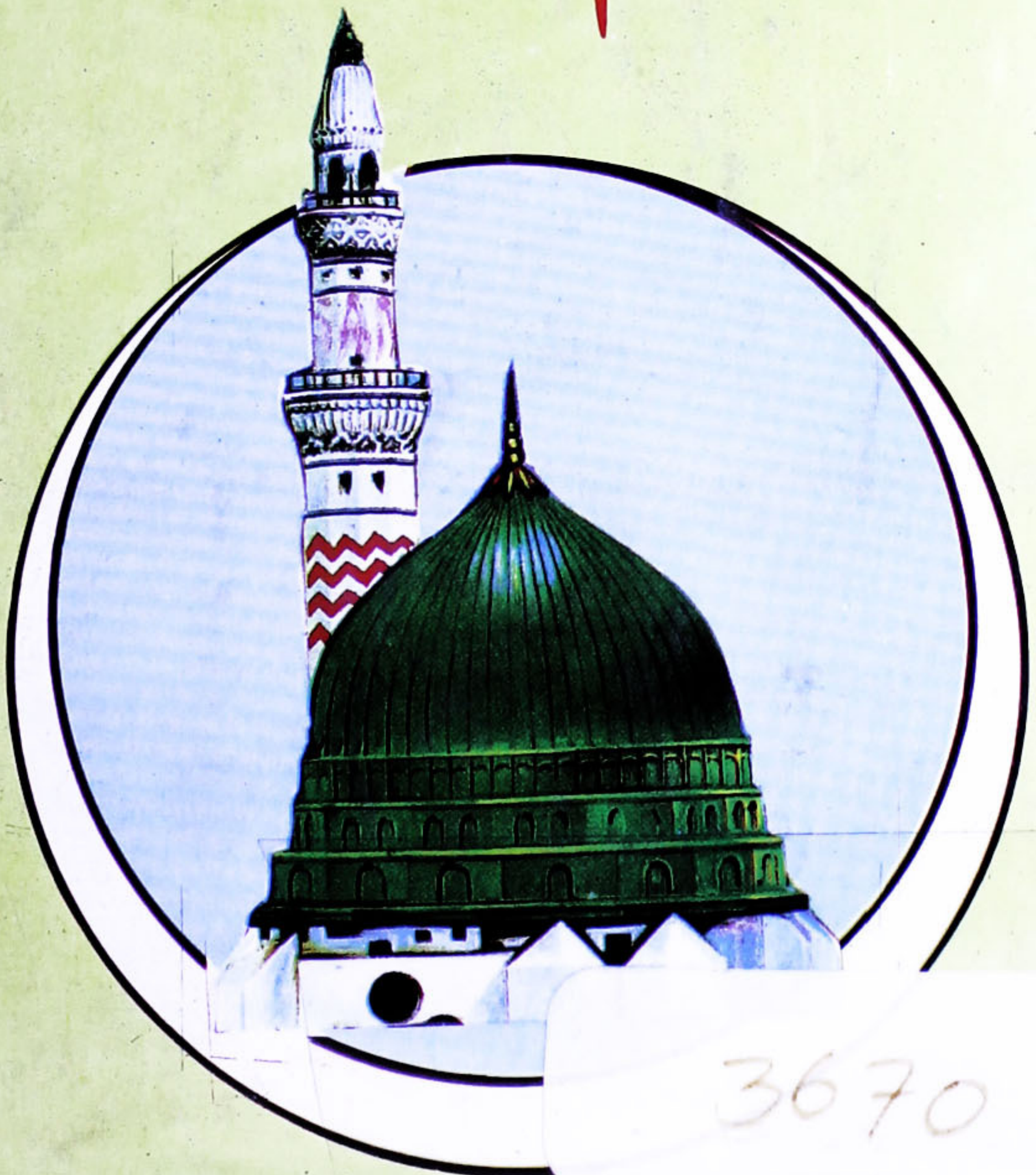


منصب رسالت کی عظمت و تکریم پر ایک نہایت اثر انگیز کتاب

مقامِ مُصطفیٰ

صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِمْ
وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ
رَبِّ
الْعَالَمِينَ



3670

رشحات و قلم
علامہ ابرار شہید القادری

منصب رسالت کی عظمت و تکریم پر ایک نہایت اثر انگیز کتاب

مقامِ مُصطفیٰ

صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یعنی

انوارِ احمدی

تصنیف

شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ صاحب قادری حنبلی

تلخیص و تسہیل

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری

ناشر

انوارِ علم و ادب، والٹن روڈ، لاہور

جلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ~~86908~~ 86908

نام کتاب _____ مقام مصطفیٰ ﷺ یعنی انوار احمدی
تصنیف _____ شیخ الاسلام حضرت علامہ انوار اللہ صاحب
تلمیض و تبصرہ _____ حضرت علامہ ارشد القادری
پروٹ ریڈنگ _____ مولانا غلام عبدالقادر فیضی
کتابت _____ عبداللہ خان دوکان سو بنارام پور
ناشر _____ ادارہ علم و ادب، والٹن روڈ، لاہور
طباعت _____
تعداد بار اول _____ ۱۱۰۰

قیمت _____ 60/-
رابطہ بذریعہ ڈاک _____ مکان نمبر E31 TORI - مبحر طارق شریف شہید ٹریٹ
النور ٹاؤن درکشاپ سٹاپ، والٹن روڈ لاہور کینٹ
فون: 5813070

کتاب ملنے کے پتے

- ۱۔ مکتبہ شیر ربانی، کاشانہ شیر ربانی نزد داتا دربار، لاہور
- ۲۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
- ۳۔ کرم پیلی کیشنز، سرور مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
- ۴۔ مکتبہ قادریہ، داتا دربار روڈ، لاہور
- ۵۔ مکتبہ فاروقیہ رضویہ، گوجر پورہ، باغبان پورہ، لاہور
- ۶۔ مکتبہ اشرفیہ، مریدکے، ضلع شیخوپورہ
- ۷۔ مکتبہ نوریہ، قصور

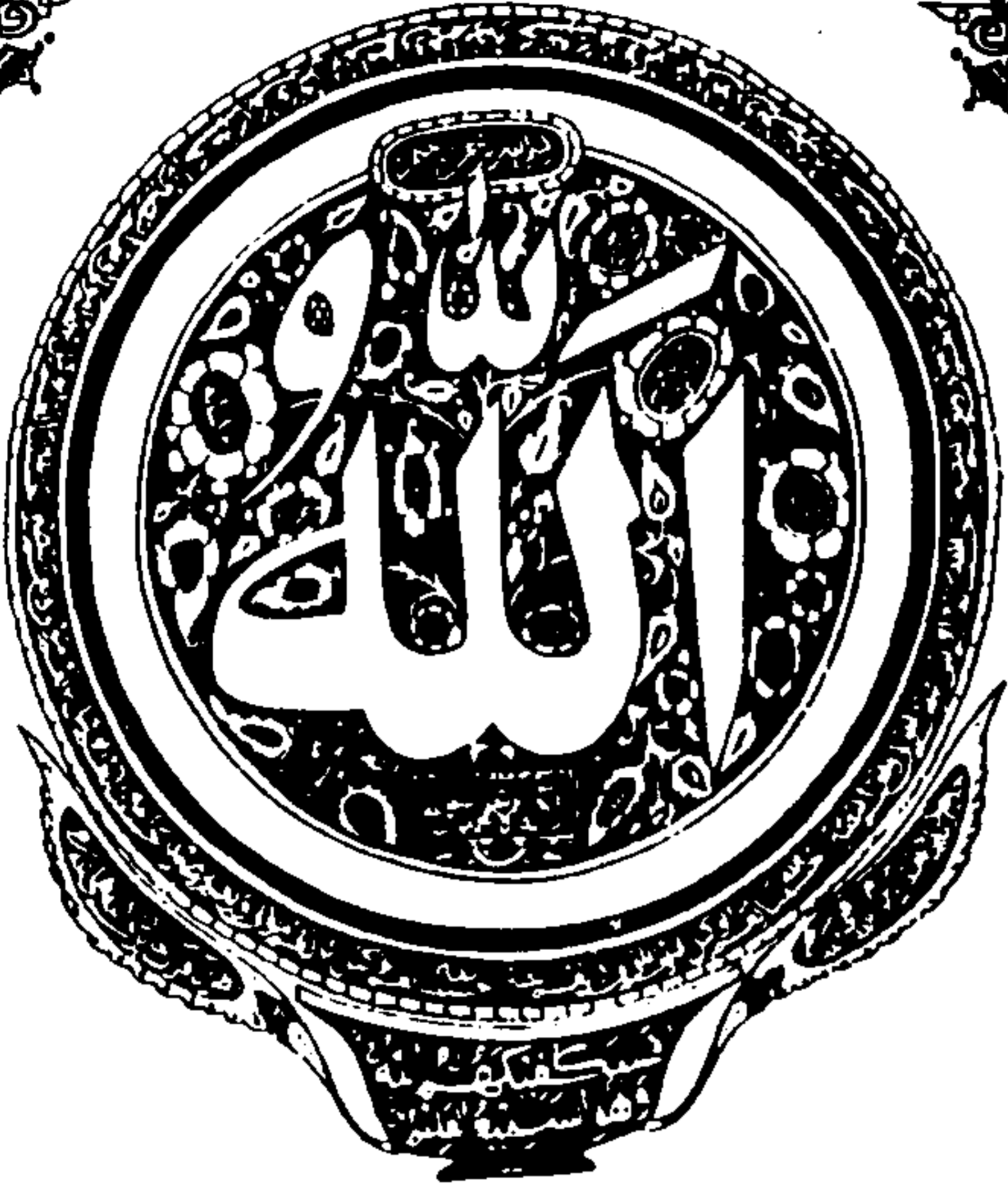
فہرست مضامین

۳۳	کتاب کی تخلیق و تہذیب میں	۷	اسم ذات
۳۴	میرے قلم کے ناگزیر تصرفات	۸	• درود شریف
۳۵	انوار احمدی کا سبب تالیف	۹	نشان منزل
۳۶	اختلافی مسائل میں فاضل مصنف	۱۱	پیش لفظ
۳۷	کا موقف	۱۲	کتاب کی خصوصیات
۳۸	سیر گلستان عقیدت	۱۲	حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ
۳۹	سوانح حیات حضرت فاضل مصنف	۱۵	اقتباسات
۴۰	جامعہ نظامیہ کی بنیاد	۱۵	پہلا اقتباس
۴۱	سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت	۱۶	دوسرا اقتباس
۴۲	تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر	۱۶	تیسرا اقتباس
۴۳	دائرۃ المعارف کا قیام	۱۷	چوتھا اقتباس
۴۴	شیخ الاسلام کی تصنیفات	۱۸	پانچواں اقتباس
۴۵	وصال شریف	۱۹	چھٹا اقتباس
۴۶	حضرت کے معمولات	۱۹	ساتواں اقتباس
۴۷	نعت گوئی بھی زبان و قلم کا ایک جہاد ہے	۲۰	آٹھواں اقتباس
۴۸	پہلی حدیث	۲۰	نواں اقتباس
۴۹	دوسری حدیث	۲۱	دسواں اقتباس
۵۰	تیسری حدیث	۲۳	گیارہواں اقتباس
۵۱	حضور ہی کے وجود سے سائے عالم کا	۲۳	بارہواں اقتباس
۵۲	وجود ہے۔	۲۴	تیرہواں اقتباس
۵۳	پہلی حدیث	۲۵	چودھواں اقتباس
۵۴	دوسری حدیث	۲۶	پندرہواں اقتباس
۵۵	تیسری حدیث	۲۷	سولہواں اقتباس
۵۶	نائدہ	۲۸	سترہواں اقتباس
۵۷	چوتھی حدیث	۲۹	اقتباسات کے ذیل میں قابل غور نکتے
۵۸	پانچویں حدیث	۳۰	کتاب کے بارے میں چند معروفات
۵۹	ایک قصبہ کا ازالہ		

۵۰	فضائل درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں	۵۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے
۵۰	پہلی حدیث	۵۳	پہلی دلیل
۵۰	فائدہ	۵۳	دوسری دلیل
۵۱	دوسری حدیث	۵۴	فائدہ
۵۱	سونے کا قلم چاندی کی دوات،	۵۴	تیسری دلیل
	اور نور کا کاغذ	۵۴	فائدہ
۵۲	درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ	۵۵	چوتھی دلیل
۵۳	حضور کے دربار میں درود شریف	۵۵	پانچویں دلیل
	کس طرح پہنچتا ہے؟	۵۶	فائدہ
۵۳	پہلا طریقہ	۵۶	چھٹی دلیل
۵۴	دوسرا طریقہ	۵۷	فائدہ
۵۵	تیسرا طریقہ	۵۸	ساتویں دلیل
۵۶	سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال	۵۸	فائدہ
۵۶	ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب	۵۸	آٹھویں دلیل
۵۸	پہلی حدیث	۵۸	عبد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز
۵۸	دوسری حدیث	۵۸	واقعہ
۸۰	صلوٰۃ کے معنی کے تعین میں [۵۹	فائدہ
	ایک شاندار علمی بحث	۶۰	جلالت شان منصفی کے زگارنگ جلوے
۸۰	پہلا معنی	۶۲	عقیدہ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز
۸۱	دوسرا معنی		بحث
۸۱	تیسرا معنی	۶۳	پہلی تشبیہ
۸۲	پہلی دلیل	۶۴	دوسری تشبیہ
۸۲	دوسری دلیل	۶۴	تیسری تشبیہ
۸۲	تیسری دلیل	۶۵	چوتھی تشبیہ
۸۲	چوتھی دلیل	۶۶	پانچویں تشبیہ
۸۳	پانچویں دلیل	۶۷	چھٹی تشبیہ
۸۳	جو تھا معنی	۶۸	درود و سلام کی نورانی بحث
۸۴	ایک ایمان افروز حدیث		درود شریف کے اہتمام کی ضرورت
۸۵	فیصلہ کن بات	۶۹	

۱۰۵	تیسرا نکتہ	۸۵	ایک بعیرت افروز نکتہ
۱۰۶	سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار	۸۶	امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتہ
۱۰۶	پہلی دلیل		سے استنادہ
۱۰۷	دوسری دلیل	۸۷	حضور کی غیبی قوت اور اراک کی پہلی دلیل
۱۰۸	تیسری دلیل	۸۸	دوسری دلیل
۱۰۹	چوتھی دلیل	۸۸	تیسری دلیل
۱۰۹	پانچویں دلیل	۸۹	امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث
۱۱۰	ایک شبہ اور اس کا جواب	۸۹	حضور کی غیبی قوت اور اراک کی چوتھی دلیل
۱۱۲	اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں	۹۱	پانچویں دلیل
۱۱۲	پہلی وجہ	۹۲	آیت کریمہ کے نکات
۱۱۲	دوسری وجہ	۹۲	پہلا نکتہ
۱۱۳	تیسری وجہ	۹۳	دوسرا نکتہ
۱۱۳	ایک لطیف طنز	۹۴	تیسرا نکتہ
۱۱۴	خلاصہ بحث	۹۵	چوتھا نکتہ
۱۱۵	ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب	۹۶	درود بھجنے کے مواقع
۱۱۵	قیام تعظیمی کی بحث	۹۷	پہلی حدیث
۱۱۷	قیام تعظیمی کی پہلی دلیل	۹۷	دوسری حدیث
۱۱۸	قیام تعظیمی کی دوسری دلیل	۹۷	تیسری حدیث
۱۱۸	قیام تعظیمی کی تیسری دلیل	۹۸	چوتھی حدیث
۱۱۹	قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل	۹۸	پانچویں حدیث
۱۲۰	قیام تعظیمی کی پانچویں دلیل	۹۹	چھٹی حدیث
۱۲۰	قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل	۹۹	ساتویں حدیث
۱۲۱	قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل	۱۰۰	آٹھویں حدیث
۱۲۱	قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل	۱۰۰	چند مقامات کی اور نشانہ
۱۲۲	قیام تعظیمی کی نویں دلیل	۱۰۱	ماسل بحث امام سخاوی کے قلم سے
۱۲۲	قیام تعظیمی کی دسویں دلیل	۱۰۱	فاضل مصنف کی ایک جہت مؤنسبت
۱۲۳	فاضل مصنف کی ایک بیان افروز عبارت	۱۰۳	سلام کی بحث
۱۲۳	قرآن میں منصب رسالت کی تعظیم	۱۰۲	پہلا نکتہ
	کا حکم	۱۰۴	دوسرا نکتہ

۱۵۷	حضرت عثمان غنی کا شیوہ ادب	۱۲۴	پہلی آیت
۱۶۰	حضرت عمر فاروق کا شیوہ ادب	۱۲۵	دوسری آیت
۱۶۱	حضرت ابو بکر صدیق کا شیوہ ادب	۱۲۷	تیسری آیت
۱۶۳	ایک ہی شیوہ ادب متعدد صحابہ کا	۱۲۷	تشریح
۱۶۳	حضرت ابو ہریرہ کا شیوہ ادب	۱۲۹	چوتھی آیت کریمہ
۱۶۴	عام صحابہ کرام کا شیوہ ادب	۱۲۹	تشریح
۱۶۵	حضرت اسلم بن شریک کا شیوہ ادب	۱۳۱	پانچویں آیت
۱۶۷	حضرت برابر بن عازب کا شیوہ ادب	۱۳۱	تشریح
۱۶۹	حضرت امام مالک کا شیوہ ادب	۱۳۲	چھٹی آیت
۱۷۲	حضرت امام شافعی کا شیوہ ادب	۱۳۲	تشریح
۱۷۳	حضرت ابوالیوب کا شیوہ ادب	۱۳۵	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۱۷۴	نام مبارک کی تعظیم کا حکم	۱۳۷	ساتویں آیت
۱۷۴	پہلی حدیث	۱۳۷	تشریح
۱۷۴	دوسری حدیث	۱۴۰	آٹھویں آیت
۱۷۴	تیسری حدیث	۱۴۰	تشریح
۱۷۵	چوتھی حدیث	۱۴۲	تعظیم و ادب کے سلسلے میں
۱۷۵	پانچویں حدیث	۱۴۲	حضور پاک کی عملی تعلیمات
۱۷۵	تعظیم نام محمد کا ایک بیان افزہ واقعہ	۱۴۲	پہلی حدیث
۱۷۷	نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کی بحث	۱۴۳	دوسری حدیث
۱۸۱	تاریخ فتنہ و ہابیت	۱۴۴	تیسری حدیث
۱۸۵	بانی فرقہ و ہابیت کے مظالم	۱۴۵	چوتھی حدیث
۱۸۶	ایک اہتمامی عبرتناک واقعہ	۱۴۸	بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام اور
۱۸۸	اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ	۱۴۹	اکابر امت کے شیوہ ہائے ادب
۱۸۸	ہندوستان میں ہابی فرقے کی نشاندہی	۱۴۹	عام صحابہ کا شیوہ ہائے ادب
۱۸۹	پہلا اقراری بیان	۱۵۰	جانوروں کا شیوہ ہائے ادب
۱۸۹	دوسرا اقراری بیان	۱۵۲	حضرت عمر فاروق کا شیوہ ادب
۱۸۹	تیسرا اقراری بیان	۱۵۴	حضرت ابو بکر صدیق کا شیوہ ادب
۱۹۱	چوتھا اقراری بیان	۱۵۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب



قطعہ اسم ذات جو اعلیٰ حضرت شیرزبانی حضرت
 میاں شیر محمد شر قنوی رمذاذند نے اپنے دست مبارک
 سے رسم فرمایا جس سے آپ کے عشق الہی کا بخوبی
 اندازہ ہوتا ہے، پتے پتے میں اسم ذات نہایت
 خوبصورتی سے واضح کیا گیا ہے۔

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ
وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ

کتاب: بحیث شفیق از سید ابوبکر

وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ

نشانِ منزل

باسمِ ربِّ محمدِ صلی اللہ علیہ وسلم

اس عالم رنگ و بو میں ہر عاشق نے اپنے محبوب کی تعریف کی، ہر محب نے اپنے معشوق کے اوصاف و محاسن بیان کیے، ہر عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی فکر و نظر کے مطابق اوصافِ رسول ﷺ بیان کیے اور قرآن کریم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، کیونکہ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) اس (قرآن) کا ہر فقرہ وصفِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔

عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اپنے دور میں تقریر و تحریر کے ذریعہ درود و سلام اور نعت و ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کیا، جس کے باعث انہیں دائمی زندگی حاصل ہو گئی۔ ان عشاق میں سے ایک عاشقِ رسول، شیخ الاسلام حضرت علامہ محمد انوار اللہ صاحب حیدرآبادی قدس سرہ کی ذات گرامی ہے۔ انہوں نے بھی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر اوصافِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل کتاب ”انوار احمدی“ لکھی۔ اس کتاب کا ہر مضمون قرآن، حدیث، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روح کے عین مطابق ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر لفظ شیخ الاسلام، شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق و تائید سے مزین ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے محبتِ رسول ﷺ کی خوشبو آتی ہے۔

چونکہ یہ کتاب قدرے دقیق و ضخیم تھی، اس لیے شدت سے ضرورت

محسوس کی جا رہی تھی کہ عوام الناس کی سہولت اور استفادہ کے لیے اس کی تلخیص و تسہیل کی جائے۔ یہ عظیم کام (تلخیص و تسہیل) عالم اسلام کے عظیم سکالر، فاضل، تحریر و تقریر کے بادشاہ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ سابق جنرل سیکرٹری ورلڈ اسلامک مشن نے سرانجام دیا۔ علامہ موصوف کے قلم سے تراشا ہوا ہر لفظ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل، عمل و عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

پاکستان میں پہلی بار اس کتاب کی اشاعت ”مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے نام سے ہمارے حصہ میں آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی جمیلہ کو اپنے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے شرف قبولیت سے نوازے۔ اگر قارئین کی جانب سے حسب سابق معاونت کا سلسلہ جاری رہا تو نعلین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے ہم ایسی مزید نایاب کتب پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

طالب دعاء

محمد یسین قصوری نقشبندی
ادارہ علم و ادب، والٹن روڈ، لاہور
جنوری ۱۹۹۸ء



الْحَمْدُ لِلَّهِ ۝ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ جَبِيذِهِ وَنَبِيِّهِ ۝
وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ ۝ وَمُحِبِّيهِ وَحِزْبِهِ ۝ عَلَيْهِمُ الْجَمْعُ

پیش لفظ

از: رئیس التعمیر حضرت علامہ ارشد القادری

حیدرآباد کا ایک مبارک سفر

آج سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے مکہ مسجد حیدرآباد میں شہر کی مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک پنج روزہ تبلیغی پروگرام رکھا گیا تھا۔ جس میں ملک کے مختلف مشاہیر علمائے اہل سنت کے ساتھ دو دن کے لئے میں بھی مدعو تھا۔ اجلاس میں عاشقان رسول کا بے پناہ اثر و ہام اور ان کا مذہبی جوش و خروش دیکھ کر میری مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ تقریروں کے دوران مجمع میں جذبات کے تلاطم کا عجیب عالم تھا۔ اُس دن میں نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکار کونین کے ذکر جمیل سے سوکھی ہوئی رگوں میں کس طرح زندگی کی لہر دوڑتی ہے۔ اور تپتے ہوئے الفاظ کی ضرب سے کس طرح غفلتوں کا نشہ اترتا ہے۔ کتنی ہی آنکھیں فرطِ محبت سے اٹکبار تھیں اور کتنے ہی قلوب جذبہ شوق میں جھل رہے تھے۔ اسی عالم خود فراموش میں اہل محبت نے پانچ راتیں گزار دیں۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے لیکن گھر لوٹنے والوں کی پیشانیوں سے امید کی جو کرن بھوٹ رہی تھی اس سے دلوں کی کیفیت کا کچھ نہ کچھ سراغ ضرور لگتا تھا۔

اجلاس نے فراغت کے بعد کئی دن حیدرآباد میں قیام کرنے کا موقع ملا۔
ابھی ایام میں جنوبی ہند کی مشہور درس گاہ جامعہ نظامیہ کے اہماتذہ کی دعوت پر
اس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ کی پرشکوہ عمارتیں اس کا حسن انتظام دیکھ کر بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ ایک بلند پایہ تعلیمی مرکز کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے وہ ساری خوبیاں دامن کو کھینچتی تھیں کہ ہمیں دیکھو۔ جامعہ نظامیہ اپنے عظیم المرتبت بانی شیخ الاسلام مولانا حافظ شاہ انوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے ایک باوقار دارالعلوم اور ایک عظیم مرکز علم و فن کی حیثیت سے سائے اقطار ہند میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ جامعہ میں حاضری کے موقعہ پر وہاں کے اساتذہ نے ازراہ علمی قدر دانی حضرت شیخ الاسلام کی چند گرانقدر تصنیفات بھی مجھے عنایت فرمائیں۔ جن میں مقاصد الاسلام اور انوار احمدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انوار احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، ذہنی استحضار، قوت تحقیق، ذہانت و نکتہ رسی، اور بالخصوص ان کے جذبہ حب رسول اور حمایت مذہب اہل سنت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

کتاب کی خصوصیات

یہ گراں قدر کتاب فضائل رسول اور اختلافی مسائل پر اس درجہ اطمینان بخش معلومات فراہم کرتی ہے کہ اسے ایک بار پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بھی بغیر دلیل کے نہیں کہی گئی ہے۔ خاص طور پر آیات و احادیث اور بیان کردہ واقعات کے ذیل میں مصنف نے تبصرہ کے طور پر جو نتائج سپرد قلم فرمائے ہیں وہ بالکل نشتر کی طرح دلوں میں چبھ جاتے ہیں اور ان میں اتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دل کے انکار کے باوجود دماغ کو ایمان لانا پڑتا ہے۔

حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس کتاب کی سطر سطر

اور حرف حرف کی تصدیق فرمائی ہے جو اردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں دیکھے۔ حضرت مہاجر مکی نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے ان لوگوں کے لئے قبول حق کا کام آسان کر دیا ہے جو انھیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ مانتے ہیں۔ اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔ اردو کی تقریظ کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

ان دنوں ایک عجیب و غریب کتاب لاجواب مسیحی بانوار احمدی مصنفہ حضرت علامہ زماں و فرید دوراں، عالم باعمل و فاضل بے بدل جامع علوم ظاہری و باطنی عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی و حشمتی سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری۔ اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ اول سے آخر تک سنی۔

اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔ (انوار احمدی ص ۷)

اس تقریظ میں ”تحقیق محققانہ“ ”تائید ربانی“ ”امداد مذہب اہل حق“ اور ”دعوت حق“ کے گرانقدر الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک ”مرشد روشن ضمیر“ کے الہامی کلمات ہیں۔ عربی زبان میں رقم کردہ تقریظ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بیحد جامع اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے۔ مصنف کی زبان سے کتاب کی سماعت کے بعد اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

وَجَدْتُهُ مُوَافِقًا لِلسَّنَةِ
السَّنِيَّةِ فَسَمَّيْتُهُ بِالْأَنْوَارِ
الْأَحْمَدِيَّةِ وَ إِنَّمَا هَذَا مَذْهَبِي
وَعَلَيْهِ مَدَارُ مَشْرَبِي يَقْبَلُهُ
رَبُّ الْمُقْبُولِينَ وَجَعَلَهُ

میں نے اس کتاب کو سنت کریمہ کے مطابق پایا اس لئے میں نے اس کتاب کا نام انوار احمدی رکھا اور یہی میرا مذہب ہے اور اس کے مشتملات پر ہی میرے مسلک و مشرب کا مدار ہے۔

ذخیرۃ لیوم الدین۔
(انوار احمدی ص۔)

مقبول بندوں کا پروردگار اسے
قبول فرمائے اور اسے ذخیرہ آخرت
بنائے۔

اس تقریظ میں بھی موافق سنت میرا مذہب، میرے مشرب کامدار، اور
"ذخیرہ آخرت" کے الفاظ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

اب اپنے قارئین کرام کے سامنے کتاب سے چند ایسے اقتباسات پیش کرنا چاہتا
ہوں جن کی حقانیت پر شیخ المشائخ حضرت مہاجر مکی نے اپنی مہر توشیح ثبت فرمائی ہے
اور جنہیں اپنا مذہب، اپنے مشرب کامدار، اور امداد مذہب اہل حق، قرار دیا ہے۔
مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان اقتباسات کو کلمات تقریظ کی روشنی میں
پڑھیں گے اور اپنی آنکھوں سے عصبیت کی وہ ساری عینکیں اتار دیں گے جنہوں نے
تلاش حق کے مسافروں کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے۔



اقتباسات

پہلا اقتباس

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے انکار میں تحذیر الناس
لی فلسفیانہ بحث کی مذمت کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات
کہاں ہیں جو کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (یعنی ہر نئی چیز گمراہی ہے) پڑھ
پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے کیا اس قسم کی بحث
فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرون ثلاثہ میں کسی
نے کی تھی؟

پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور
اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن
پر ہوگا۔

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد
ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص
اسلام میں کوئی بڑا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے
سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ
ہوگی۔ (رواہ مسلم) (انوار احمدی ص ۵)

دوسرا اقتباس

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اس مقام پر غیظ میں ڈوبے ہوئے قلم کا ذرا چبھتا ہوا طنز ملاحظہ فرمائیے۔ تحذیر الناس کے مصنف کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرتے ہیں:

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے۔

یہ تو بتائیے! کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دو دم (دو دھاری تلوار) ان سے لے کر میدان میں اکھڑے ہوئے۔
(الوار احمدی ص ۵)

تیسرا اقتباس

غیرت محبت کا تقاضا بھی پورا نہیں ہوا۔ عقیدہ ختم نبوت پر ڈالا ہوا گردوغبار جب تک بالکل صاف نہ ہو جائے دل کو اطمینان کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ بحث کا طویل سلسلہ ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیسی متغیر ہو گئی کہ چہرہ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے۔ اور باوجود خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ان الذین یؤذون اللہ و
 رسوله لعنہم اللہ فی الدنیا
 والآخرۃ واعدّ لہم
 عذاباً مہیئاً
 (انوار احمدی ص ۵۲)

جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اس
 کے رسول کو لعنت کرتے اللہ ان
 پر دنیا میں بھی اور آخرت میں
 بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے
 لئے ذلت کا عذاب!

جو تھا اقتباس

صلوٰۃ و سلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہند و پاک میں قیام و سلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انہیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اب ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا "صلوٰۃ" بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متکون ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے جیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔ (انوار احمدی ص ۱۷)

پانچواں اقتباس

جو لوگ منصب رسالت کی ناقدری کرتے ہوئے تعظیم و احترام کی بجائے اور سے گریز اور انکار کرتے ہیں ان کے خلات اتمام حجت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں اس عبارت میں غیرت حق کا تیور خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے۔

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی

ظاہر ہو گئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو صرف دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔ (انوار احمدی ص ۱۰۱)

چھٹا اقتباس

اس موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدہ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے،

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں (صلوٰۃ و سلام کی شکل میں) ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت ہیں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں کہ اگر حضور کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحت لازم آجائے گی۔
(انوار احمدی ص ۱۰۱)

ساتواں اقتباس

اس موضوع پر حضرت مصنف کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیں:

صرف ایک یا دو بار درود شریف ادا کئے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اَعَاذُ نَا اللّٰهَ مِنْ ذٰلِكَ (انوار احمدی ص ۳۹)

آکھواں اقتباس

سلام کی بحث میں حضرت مصنف کی یہ عبارت بھی ان لوگوں کی پشت پر ایک تازیانہ ہے جو نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے کو شرک کہتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب یہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات بھی محسوس کرنی چاہیے کہ جب سلام کا مرتبہ ایسا ہو کہ عبادت محض یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (انوار احمدی ص ۱۶۵)

نواں اقتباس

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف جبط اعمال کی لرزہ خیز مزا سنائی گئی ہے اس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ غیر تناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو

اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرت الہی تھا کہ اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرت الہی جوش میں آجائے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آگیا۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِیْكَ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفات الہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۰۶)

دسواں اقتباس

یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنًا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنًا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنًا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنًا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اب تم رَاعِنًا کے بجائے اُتُّظُنُّنَا کہا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی اس لفظ کا استعمال ہی ترک کر دو جس میں توہین کا

بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایتہ بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشائستہ جن میں صراحتہ حضور کی کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن مار دی جائے۔

بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ حکم عام تھا بیشک اس کی گردن مار دی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری مراد کیا تھی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہ ہو یا کنایتہ، کس درجہ قبیح ہوگا۔

(الوار احمدی ص ۱۱۲)

~~86908~~ 86908

گیارہواں اقتباس

اسی موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی یہ ورد انگیز عبارت پڑھے :

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راعینا کہنے والا مستوجب قتل تھا، کوئی اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا تو اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لئے تاویلات بارہ کچھ مفید ہو سکتیں؟ ہرگز نہیں ! مگر اب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رویا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ بختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے شرق و غرب میں گاڑ دئے تھے ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوائ نہ دیکھ سکی۔ میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرات کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ جوگتاخیاں اور بے ادبیاں قابل سزا تھیں، اُنہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہو گا۔ (انوار احمدی ص ۲۱۳)

بارہواں اقتباس

ایک آیت کریمہ کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔
شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید

اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تأمل کیا جائے گا تو ضروریہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی بندوں کو روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سر اسر کسپر شان کی ہیں کس قدر غیرت الہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (انوار احمدی ص ۲۱۶)

تیرھواں اقتباس

کنز العمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ خلیفہ رسول اللہ نہیں؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالفہ ہوں۔ خالفہ گھر کے اس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب انھوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

... اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

جب حضرت ابو بکر جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اگر اپنے آپ کو حضور سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں ان کے اندر

کہاں سے پیدا ہو جائیں گی۔ اور اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا
 تنزل اور گرانا مقصود ہے تو ان لوگوں پر اِنَّ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
 کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی
 راہ نہیں ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۳۳)

چودھواں اقتباس

حضرت امام طبرانی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ
 حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت اسلم بن شریک فرماتے ہیں کہ میں
 سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاہہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف فرما ہوتے تھے۔
 ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی درمیان حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب
 میں سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں؟ سخت سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے
 غسل بھی نہیں کر سکتا تھا اور دوسری طرف طبیعت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی
 حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا اور انہوں
 نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ

فرمائیں :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا
 گوارا نہ تھا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان
 دکھائی دے گا جس سے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں
 میں پیدا کر دیئے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً وہاں اس قسم کے امور کی
 تعلیم تھی اور نہ صراحتہ ترغیب و تحریص۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق ایمان
 حقیقی کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو

مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کریگا۔
بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو دھوڑیں صدی والا خوش اعتقادی
میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔ الحاصل جب ان
لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر
ادب کیا جائے محمود ہے۔

اب فدا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ خیر القرون کے بعد لوگوں
کو ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا
جائے تو معلوم ہوگا کہ معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے حالانکہ اس طرح کے
ہور کی تعلیم عموماً انھیں نہ تھی مگر ان کے دل اتنے ہی مہذب اور مؤدب
تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے
والے افعال خود ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر ان کو منطبق کر لیتے
تھے جن کا سمجھنا بھی اس زمانے میں شاید آسانی نہ ہو سکے۔ کیوں نہ ہو کہ
ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے
کی وجہ سے حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا۔
(انوار احمدی ص ۲۴۵)

پندرہواں اقتباس

فاضل مصنف نے حضرت قاضی عیاض کی شفا خریف کے حوالہ سے حضرت ابوالیوب
سختیانی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالک نے بیان کیا کہ حضرت ابوالیوب
سختیانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے
تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر
میں نے ان کی شاگردی قبول کر لی۔

اس واقعہ کے ضمن میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ذرا امام سختیانی کے دل کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائیے

کہ کس درجہ عظمت و محبت ان کے دل پر چھائی ہوئی تھی جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو ادب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو تازہ کرتا ہے۔

سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہوئی کہ بڑے بڑے فاضل معاصرین سے انھیں افضل بنا دیا اور یہاں ہمنوز اس کے جواز و عدم جواز ہی میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیروں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلس ہی نہ ہونے پائے بھلا سوچئے تو یہی کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتیں مسلمانوں میں پھیلتی رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۷)

سولہواں اقتباس

تعظیم و ادب سے متعلق حضرت فاضل مصنف کے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں۔
ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

وہ (صحابہ کرام) ہر قسم کے آداب خود ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی کی نہیں پڑی تھی۔ اور اگر چند خود سروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو ان کی بد اعتقادیوں نے انھیں مومنین مخلصین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا اور دوسرے نام کے ساتھ انھیں مشہور کر دیا تھا۔ اس لئے کوئی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا۔

اور اس آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ ان حضرات نے جن کی پیروی ہمارے لئے ضروری ہے، قسم قسم کے آداب کی ہمیں تعلیم دی، اب اگر ان کی پیروی میں آج کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراض کی بوجھار ہونے لگتی ہے۔ اور صرف

اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچادی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم
مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔ (انوار احمدی ص ۲۴۶)

سترھواں اقتباس

حضرت فاضل مصنف کا یہ آخری اقتباس ہوش و گوش کے ساتھ پڑھئے۔ موصوف
تقبیل ابھامیں یعنی حضور کا نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا جواز
ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی
طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا اس کی دینداری میں کچھ نہ
کچھ خرابی ضرور ہوگی۔

سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام
کے مقابلے میں گستاخانہ انداز سے انا خیر منک کہا اور ابدالآباد کے
لئے مردود بارگاہ کبریائی کھرا اسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس
کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا اور اس کے لئے مختلف
قسم کی تدابیر اس نے سوچیں مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب
سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی
اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں نہایت زبردست اثر رکھتی ہے۔
اسی لئے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ
مِثْلُنَا کی عام تعلیم اس نے شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار
انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہا کئے۔ (انوار احمدی ص ۲۴۵)

اقتباسات کے ذیل میں قابل غور نکتے

یہ سارے اقتباسات کتاب سے منتخب کر کے میں نے اس لئے یہاں جمع کئے ہیں تاکہ جو لوگ شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کو اپنے بزرگوں کا مقتدائے اعظم مانتے ہیں وہ ان اقتباسات کی روشنی میں ان کے مسلک و مشرب کا اندازہ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تکریم اور ایمان و عقیدت کا صحیح تقاضا کیا ہے اور ہندو پاک میں کونسا طبقہ ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کون اسے شرک و بدعت قرار دیتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان اقتباسات میں جنوبی ہند کے ایک مقتدر پیشوا نے منصب رسالت کے حقوق و آداب پر اپنے جن افکار و عقائد کا برملا اظہار کیا ہے اور جن کی حقانیت پر علمائے دیوبند کے مرشد برحق نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے وہ شمالی ہند کے اعلیٰ حضرت کی آواز سے بالکل ہم آہنگ ہے یا نہیں؟ پھر حق و انصاف کا یہ کتنا بڑا خون ہے کہ بریلی کے اعلیٰ حضرت کو تو بدعت و غلو کے الزام سے مطعون کیا جائے اور وہی بات مرشد برحق فرمائیں تو نہ ان پر غلو کا الزام عائد کیا جائے اور نہ انھیں بدعتی ٹھہرایا جائے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف نے بھی اپنی کتاب میں جگہ جگہ ان ایذا رسانیوں اور زیادتیوں کا ذکر کیا ہے جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ کبھی انھیں مشرک کہا جاتا ہے، کبھی ان پر بدعتی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور کبھی انھیں اندھی عقیدت میں گرہی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری گالیاں انھیں صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ وہ بارگاہ رسالت میں اپنے اعتقاد اور کردار و گفتار کے ساتھ مؤدب رہنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے قول و عمل سے جب رسول، کا وہ تقاضا پورا کرتے ہیں جو ائمہ دین اور اکابر امت سے انھیں ورثے میں ملا ہے۔

پچھلے اوراق میں کتاب کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں آپ انھیں غور سے

پڑھے۔ ان میں تعظیم و ادب کے جو وظائف و مظاہر ذکر کئے گئے ہیں اور شیخ المشائخ اپنی تقریظات میں جنہیں اپنا مذہب اور اپنے مشرب کا مدار قرار دیا ہے، اگر فی الواقع و بدعات سیدہ کے قبیل سے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ جو لوگ شیخ المشائخ کو اپنے بزرگوں مرشد برحق سمجھتے ہیں، کیا وہ ان پر بھی بدعتی ہونے کا التزام عائد کر سکتے ہیں؟ ہمیں یقین کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی یہ سوال ان کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار بن جائے گا کہ کتاب و سنت کی رو سے کیا ایک بدعتی مرشد طریقت بنائے جانے کا اہل ہے۔

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس بات پر یہاں سب کی زبانیں بند ہیں اسی بات پر برصغیر کے اہل سنت کو لائق گردن زدنی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی مظلومی کی زیاد اسی کی بارگاہ میں کہتے ہیں جو سب پر غالب اور سب کا پاور ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُر بِنِعْمَةِ رَبِّي إِلَى اللَّهِ۔

کتاب کے بارے میں چند معروضات

اقتباسات کے پس منظر میں جس اہم ترین نکتے کی طرف مجھے اس کتاب کے قارئین کی توجہ مبذول کرانی تھی میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میں اس کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین، اپنے ایمان افروز مواد اور اور حقائق کے اظہار میں اپنے جرأت مندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق تھی کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور عشق و ایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لئے اسے حرز جاں بناتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجائے وہ مستحق تھی۔

اس کی چند وجوہات میری نظر میں یہ ہیں،

(۱) سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لئے حضرت فاضل مصنف کے معتقدین و تلامذہ کو جو اہتمام کرنا چاہیے تھا انہوں نے

کا حقہ نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ نظامیہ کے منتظمین اور وہاں کے اساتذہ کی ذمہ داری تھی کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب کو نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ آراستہ کر کے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے۔ تاکہ جنوبی ہند کی ایک عبقری شخصیت کے علمی نوادرات سے برصغیر کی دنیا پوری طرح روشناس ہو جاتی۔ پھر بھی ان کی مساعی سے نشر و اشاعت کا جس حد تک بھی کام ہوا وہ بہر حال قابل تحسین ہے۔ لیکن منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جاتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف چونکہ اپنے عہد کے استاذ بے بدل، اور بیکانے روزگار ماہر علوم و فنون تھے اس لئے ان کی تحریر میں خالص علمی زبان کا رنگ غالب ہے۔ زبان کے رخ سے کتاب کی سطح اتنی اونچی ہو گئی کہ کم علم عوام کے درمیان وہ اچھی طرح رائج نہیں ہو سکی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ۱۳۵۰ھ ہجری میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجاز مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک انھیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی۔ جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے اخیر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہو گئے۔ سو برس پہلے کی اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لئے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس اخلاق و تنگ دامن کی حامل ہو سکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیچیدگی کی وجہ سے عبارت کا مضموم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بھرے ہوئے ہوں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ!

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث و در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کہ یہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر ثبوت نہیں چھوڑتے اور

دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہونے پاتی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہو جاتی ہے۔
ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اونچی ہو گئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی۔

ان ساری وجوہات کے باوجود کتاب کی علمی اور دینی افادیت اپنی جگہ پر ہے اور سچ بوجھے تو اسی افادیت کی کشش نے میرے اندر اس جذبہ شوق کی تحریک پیدا کی کہ میں اس کتاب کے حقائق و معارف اور اس کے مفاہیم و معانی کو آج کی زبان میں منتقل کروں۔ اور اس کے پھیلے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر اتنا مختصر اور سہل کر دوں کہ عامۃ المسلمین بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

اسی طرح جنوبی ہند کے افق سے چلنے والی روشنی شرق و غرب کے آفاق پر پیدہ سحر بن کر نمودار ہو۔ اور شمال و جنوب کے علمائے اہل سنت کے درمیان اجنبیت کی وہ دیوار ٹوٹ کر گر جائے جو ایک عرصہ دراز سے حائل ہے اور مسلک حق کی حمایت میں جنوبی ہند کی ایک بے مثال علمی شخصیت کے مجاہدانہ کردار سے ہندوپاک کی ساری سنی دنیا واقف ہو جائے۔

میرے یہ پاکیزہ مقاصد اگر اپنے اندر اہل حق کے لئے کوئی کشش رکھتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ حسن التفات کے ساتھ میری ان حقیر کوششوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ خصوصیت کے ساتھ میں جنوبی ہند کے اہل سنن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گنج گراں نمایہ کو ہر طالب حق کے دامن تک پہنچانے کے لئے اس واہمانہ جدنے سے کام لیں گے جو حق کے علمبرداروں کا شیوہ ہے تاکہ منصب رسالت کے احترام کی بنیاد پر جنوب و شمال کے درمیان آواز کی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہو۔

کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات

اس کتاب کے قارئین پر میں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم نے کیا کیا تصرف کیا ہے تاکہ اس کتاب کی جدید تصنیف کا الزام میرے اوپر عائد نہ ہو۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں :

۱- جگہ جگہ میں نے کتاب کے مباحث کے نئے نئے عنوانات قائم کر کے کتاب کے مضامین کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ متوسط ذہن کے لوگ بھی کتاب کے مضامین کو محفوظ کر سکیں۔

۲- بہت سے مقامات پر مصنف کے مراد کی وضاحت میں نے اپنے الفاظ میں کی ہے تاکہ شگفتہ اور سلیس زبان کے ذریعہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن اکثر مقامات پر فاضل مصنف کے تاثرات خود اہنی کے الفاظ میں بعینہ نقل کر دیئے ہیں۔ ان میں بھی کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لئے مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں یا آسان پیرایہ بیان میں بدلنا پڑا ہے لیکن ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔

(۳) حوالوں کے لئے صرف کتابوں، مصنفوں اور راویوں کے نام لکھے گئے ہیں اور آسانی کے لئے عربی کی اصل عبارتوں کے بجائے ان کے سلیس اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن قرآن کی آیات بلفظ نقل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے زور بیان کے لئے عربی عبارتوں کے ایک آدھ جملے بھی بلفظ نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں بحث کے کسی حصے پر یا مصنف کی کسی عبارت پر میں نے اپنے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور تبصرہ میں ان نکتوں کو دیانت داری کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو بحث کے سیاق میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر بحث عوام کی ذہنی سطح سے قریب ہو جائے۔

(۵) جس مقام پر علمی سطح کی کوئی مشکل بحث تھی وہاں میں نے عبارت کا خلاصہ

اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ اہل علم کے علاوہ عام قارئین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

(۶) کتاب کی تلخیص کرتے ہوئے میں نے صرف ان بنیادی مباحث کو سامنے رکھا ہے جو اصل مقصود ہونے کی حیثیت سے فاضل مصنف کے پیش نظر ہیں اور اسماں پیرایہ بیان میں انہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۷) فاضل مصنف نے جہاں جہاں بھی منکرین عظمت رسالت کے خلاف قلم اٹھایا ہے وہاں ان کے جذبہ ایمان کی ترنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ سطر سطر زلف جاناں کی خوشبو سے معطر ہے اور لفظ لفظ عشق و وفا کی غیرت میں بھیگا ہوا ہے۔ اور اسے جذبہ عقیدت ہی کا تصرف کہیے کہ اس طرح کے مقامات پر عبارت اتنی شگفتہ اور قلم اتنا رواں ہو گیا ہے کہ پہچانا مشکل ہے۔

ان سارے مقامات پر مصنف کی عبارت جوں کی توں نقل کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے جس عبارت کی توثیق فرمائی ہے اس میں رد و بدل کر دیا گیا ہے۔

(۸) کتاب کے آخر میں فتنہ و ہابیت کی تاریخ حضرت مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے میں نے اسے سمیٹ کر مختصر کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں اس ایمان سوز فتنہ کی تاریخ اچھی طرح مستحضر ہو جائے۔

الوار احمدی کا سبب تالیف

شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبد الحمید صاحب کتاب کے پیش لفظ میں اس کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس مقصد تخلیق کی تکمیل کے لئے خالق کائنات کی جانب سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔“

آپ کا مرتبہ بلند و درجہ عالیہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں

نہایت تاکید کے ساتھ امت کو آپ کے ادب و احترام اور آپ کی تعظیم و توقیر کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گفتگو کے وقت خبردار اپنی آواز بلند مت کرو۔ بلکہ تنبیہ کی گئی کہ اگر آواز کو بلند کیا جائے گا تو تمام اعمال ضائع کر دئے جائیں گے۔

اور یہ کہ آپ کی قیام گاہ بد حاضر ہوں تو باہر سے آپ کو آواز دینے کی بجائے خود آپ کی تشریف آوری کا انتظار کریں۔ آپ کی بارگاہ میں اپنا کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس کو بلا کسی تنگی قلب کے قبول کر لیں۔ اور اس کو قبول نہ کرنا ایمان کے منافی ہونے کی علامت ہوگی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مخلص اور جلیل القدر صحابہ کرام گفتگو اس قدر پست آواز میں کرتے کہ دوبارہ کہلوانے کی نوبت آتی۔ اور جب آپ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تو اس قدر آداب و احترام اور سکوت و خاموشی کے ساتھ باادب بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر بندہ بیٹھا ہوا ہے کہ ذرا سی حرکت سے اڑ جائے گا۔

یہ حال تو اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کا تھا مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر پویشیدہ تھا وہ موقعہ بہ موقعہ کچھ نہ کچھ گستاخی کا اظہار کرتے چنانچہ ایک دفعہ اہنی کا ایک شخص مال غنیمت کی تقسیم کے موقعہ پر

اَعْدِلْ يَا مَعْهَدُ كَانِعْرَه لَكَ يَا لِعِنِّي اے محمد انصاف کرو۔

یہ سن کر حضور کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ اِنَّ لَكُمْ اَعْدِلًا فَمَنْ يُعْدِلْ یعنی اگر میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں تو کون ہے جو انصاف کرے گا۔ فاروق اعظم کو یہ گستاخانہ جملہ اس قدر ناگوار ہوا کہ حضور کا پاس ادب نہ ہوتا تو اسی وقت اُس کی گردن اڑا دیتے۔ جب آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی گردن اڑا دینے

کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اس قبیل کا ایک گروہ ہو گا جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر تم اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کُلُّهَا طَلَعَ قَطْعٌ يَهِي سِيْنًا نَكَالِيْنَ كَيْ تَوَكَّأَتْ دِيْ جَائِيْ كِيْ مَكْرُ كَيْ عَرَصَهْ كَيْ بَعْدَ بَعْرٍ نَمُوْدَارِ هُوْ كِيْ۔

چنانچہ یہ سلسلہ اُس وقت سے برابر جاری ہے۔ اہل حق ان کے مقابل ہمیشہ کمر بستہ رہے ہیں۔ انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرين کڑی ہے۔

اس لئے حقائق آگاہ عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ نے مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حضور کے اخلاق حسنة اور آپ کے ادب و احترام سے متعلق صحابہ کرام کے طریقہ عمل کو نظم میں قلم بند فرما کر پھر بحوالہ احادیث ان کی تشریح و توضیح فرمائی۔

جسے حضرت ممدوح کے مرشد، مرشد العلماء حضرت حاجی امداؤ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن کر بہت محفوظ و مسرور ہوئے اور اس کا نام انوار احمدی تجویز فرمایا۔

بلاشبہ اس میں انوار رسالت پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں جس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔ محافظ حقیقی عالم اسلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین

اس اقتباس میں حضرت شیخ الجامدہ کے پیش لفظ کا یہ حصہ خاص طور پر قابل توجہ ہے:

”موجودہ دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے

خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی تو کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میلاد و قیام، صلاۃ و سلام، اور تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متواترہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہل سنت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہندوپاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ انوار احمدی کے سبب تالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرنی کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے خلاف جو وہ سو برس سے اہل حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آ رہے ہیں، انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف

اگرچہ انوار احمدی کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے ایک شفاف آئینہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف کیا ہے۔ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرصع ہوئی اور جس کی تشریح و توضیح میں انوار احمدی لکھی گئی، وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی موقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنف نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

”جس زمانے میں آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد ”مدینہ طیبہ“ زاد ہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی، وہاں چند روز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے اس لئے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف و فضائل و معجزات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کے کتب احادیث و سیر سے منتخب کر کے منظوم کئے جائیں۔ (صفحہ ۱)

سیر گلستان عقیدت

اب ذیل ہیں اُس مُسدس نظم کے چند بند ملاحظہ فرمائیے۔ جو گلشن کے چمکتے ہوئے پھولوں کی طرح حسن عقیدت کی خوشبو سے منہام جان کو بھی معطر کرتے ہیں اور منہام ایمان کو بھی ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتوں پر ایک وجدانی دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا اور از قسم عبادت ہو جو ذکر انبیا !
پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیسا مرتبا جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا
رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولاہ سے

اب درود شریف کے عنوان پر فکر رسا کا ایک جلوہ دیکھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

جو کہ پڑھتا ہو درود اس کو شفاعت ہو نصیب راضی ہو گا حق گو اہی دیں گے جب اس کے حبیب
عرش کا سایہ ملے گا ہو گا حضرت کے قریب ہو گا روز عید اس کو حشر کا روز ہیب
اور اس کثرت سے ہو گا نور اس دن اس کے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

نعت شریف کی فضیلت پر اپنے جذبہ دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے ہے ایمان اُس کا ناتمام اور جو دشمن ہو تو اُس کے کفر میں پھنسا کیا کلام
کی بذات خود خدا نے نعت جب محبوب کی
پھر ثنا دل سے کریں کیونکہ نہ سب محبوب کی

تخلیق نور مصطفیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے وہ دلوں کو

چھولیتا ہے :

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو
فیض بخش کن فکاں گنجینہ اسرار ہو کینچ تاریک عدم جولانگہ انوار ہو

نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال

اور محمد اس کار کھانا حمد الایزال

ظہور نور قدسی کی منظر کشی بہت سے لوگوں نے کی ہے لیکن حضرت مدوح کا
پیرایہ بیان کس غضب کا ہے کہ آنکھیں فرط اثر سے بھیگ جاتی ہیں اور دل مسرتوں کے
تلاطم میں ڈوبنے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں :

پس وہ نور پاک رب العالمین پیدا ہوئے مبدأ کونین و ختم المرسلین پیدا ہوئے
جان عالم قبلہ اہل یقین پیدا ہوئے شکر ایزد رحمتہ للعالمین پیدا ہوئے

دھوکم تھی عالم میں خورشید کرم طالع ہوا

ہاں کریں تعظیم اب نور قدم طالع ہوا

ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان ولادت باسعادت کا دن نہایت محبت و
احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ مناتے ہیں۔ لیکن ایک طبقہ آتش غیظ میں سلگتا رہتا
ہے۔ عید میلاد النبی کے جواز پر حضرت مدوح نے ایسی اچھوتی دلیل پیش کی ہے کہ اس بند
کو پڑھئے اور سردھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

مامعین سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا تھا ذبیح اللہ کا فرحت فزا جو واقعہ
وہ معین روز روز عید ٹھہرایا گیا تنہیت کے سب رسوم اس روز مچتے ہیں دا

روز میلاد نبی جس میں تھا وہ کچھ اہتمام

ہونہ کیونکر واجب تعظیم پیش حق مدام

میلاد کے ساتھ قیام کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو کا۔
مہرب و عجم کے سارے مومنین قانتین میلاد و قیام کی معنوی لذتوں سے عشق و عقیدت کا
نور اور دل کا سرور حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ دونوں چیزیں کاٹنے
کی طرح چھتی ہیں۔ حضرت مدوح نے اپنے اس بند میں میلاد و قیام کے جواز پر نہایت مسکت
اور تشفی بخش دلیل پیش کی ہے۔ منکرین بھی تعصب کی عینک اتار کر اگر اس بند کو پڑھیں تو
کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی ایمان لے آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :

مجلس میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی ۴۰ جس میں حسب حکم خالق خلق نے تعظیم کی
پھر سبھلا تعظیم وقت ذکر میلاد نبی ہو خلافت مرضی حق یہ نہیں ممکن کبھی

حق تعالیٰ تو کرائے سجدہ با صد عز و شان

اور کھڑا ہونا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گماں

ولادت پاک کی خوشی میں ابولہب جیسے کافر لعین کو اپنی لونڈی آزاد کرنے پر
دوزخ میں اپنی پیاس بجھانے کی جو آسانی میسر آئی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت
مدوح جشن میلاد کی حمایت میں ایک دلیل پیش کرتے ہیں :

یہ اثر اللہ اکبر مجلس میلاد کا کفر و دوزخ میں ہو جس کی آبیاری بر ملا
پھر جو ایماں بھی ہو ساتھ اس جشن کے سو چو ذرا مبعوضوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں

یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

اُس گستاخ فرقہ کے پیدا کردہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت مصطفیٰ کا بھی ہے۔
وہ حضور کو بالکل اپنی طرح بشر مانتا ہے اور اس رشتے سے وہ حضور کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا
ہے۔ حضرت فاضل مدوح نے اپنے اس بند میں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے۔ فرمان الہی
کے بموجب حضور نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن
جب مومنین صحابہ سے اس مسئلے میں خطاب کا موقع آیا تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح
نہیں ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی طرح بشر کہنے کی بسارت کفار ہی کر سکتے ہیں۔ مومنین
کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور کو اپنی طرح بشر کہیں۔ قدرت و اختیار کے باوجود
طائف میں کفار کے ظلم و جبر پر حضور کے صبر و ضبط کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مدوح
ارشاد فرماتے ہیں :

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدے اس قدر تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا اک بشر
ور نہ جو مسجود اک عالم کا ہوئے سر بسر اہل دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اختیار سے

پھر بھی کسنت مثلکم فرما دیا اخبار سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے مسئلے میں بھی اُس گستاخ فرقے نے جن

شقاوتوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا بدترین نمونہ ہے۔ حضرت فاضل مدوح نے اپنے اس بند میں علم غیب رسول کے مسئلے کو جس دل نشیں پیرائے میں واضح کیا ہے وہ ان کے تبحر علمی اور قوت استدلال کی بہترین مثال ہے۔ اس مسئلے میں صحابہ کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

جتنے تھے اصحاب سب پہ جانتے تھے بالیقین کہ ہیں واقف موت کے ہر اک بشر کے شاہ دین
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں جس کی جو مرنے کی جا ٹھہراتے وہ مرتا وہیں
اہل خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

اسی عنوان پر حضرت فاضل مدوح کا ایک اور بند ملاحظہ فرمائیں۔ کتنے آسان پیرائے میں کمالات نبوت سے متعلق ایک بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا ہے۔
تحریر فرماتے ہیں :-

تھا نظر سے شاہ دین کے قدرت حق کا ظہور یعنی تھا پیش نظر یک طور پر نزدیک و دور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور ایک ساں تھی چشم نورانی کو تاریکی و نور
دیکھتے تھے واقعے روز قیامت کے عیاں
جس طرح ہیں دائما احوال امت کے عیاں

اسی مسئلے پر حضرت فاضل مدوح کا ایک اور استدلال ملاحظہ فرمائیں۔ دلیل کی اساس بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس شعر میں جلوہ گر ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
فکر کی ہم آہنگی پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کا نصب العین دونوں کے
یہاں مشترک ہے۔ اب پوری توجہ کے ساتھ حضرت مدوح کا یہ بند پڑھئے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر گو نہ دیکھا حق کو پھر بھی بڑھ گئی ایسی نظر
کہ شب یلدا میں دس فرسخ پہ چوٹی ہو اگر دیکھ لیتے، طور کی رویت کا تھا ایسا اثر
پھر جو خود اللہ کو حضرت نے دیکھا بار بار
کو نسبی شے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار

حضور کے قدرت و اختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مومنین کے جذبہ عقیدت پر خون ریز حملے کئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد ورنے میں ملا ہوا ہے۔ حضور کی ہر عظمت سے انکار اور ہر فیوضہ تعظیم و ادب سے دل میں چھین ! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بد بخت قوم ہوگی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اسی کی تنقیص میں دن رات غلطاں بھی رہتی ہو۔

کتاب و سنت کے اوراق جس رسول کونین کے اختیارات و کمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا محتار نہیں، اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اختیارات مصطفیٰ پر حضرت ممدوح نے صرف ایک بند میں فکری گمراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا سلج کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسپا کیا جاسکتا ہے۔ اب پورے نشاط قلب کے ساتھ یہ بند پڑھئے :

دست کی توصیف میں ہیہات صر ہے زباں
کل خزانوں کی انہی کے ہاتھوں میں ہیں سب کھنیاں

کیونکہ دست عقل خود پہنچا نہیں اب تک ہاں
اور انہی ہاتھوں سے ہوگا فتح ابواب خباں

ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اکوان میں
جس کو خالق نے بد اللہ کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل ۵۸ بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کئے گئے ہیں اُن سے اختلافی مسائل میں حضرت فاضل مصنف کا مسلک حق ہر نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتا ہے اب اخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانح حیات اس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

سوانح حیات حضرت فاضل مصنف

حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر کنج نشین کی روایت کے مطابق حضرت فاضل مصنف کی ولادت باسعادت ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ میں ضلع نانڈیز میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثار حمل ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کو تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت فاضل مصنف کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر فاعلی سے جا ملتا ہے۔ ان کے والد بزرگوار ابو محمد شجاع الدین بڑے متبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کے لئے آپ کو حافظ امجد علی نابینا کے سپرد کیا گیا۔ چار سال میں کلام مجید حفظ کر لیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے آپ مولوی فیاض الدین اور نگ آبادی کے حوالے گئے گئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور محقولات کی تکمیل فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی۔ ۱۲۸۴ھ میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین مولانا حاجی امیر الدین کی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ ۱۲۸۵ھ میں محکمہ مالگذاری میں پچھتر روپے ماہوار خلاصہ نویس کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ایک بار سودی کاروبار کی مثل خلاصہ لکھنے کے لئے آپ کے پاس آئی جس کی وجہ سے اسی دن آپ نے اس ناجائز ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔

ترک ملازمت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع
جامعہ نظامیہ کی بنیاد
کر دیا۔ علمی تبحر کی شہرت سن کر دور دراز مقامات سے
جو جو درجہ نشنگان علم اس چشمہ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ
جامعہ نظامیہ کے نام سے ان کے لئے باضابطہ ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد رکھنی
پڑی۔ ۱۲۹۲ھ میں اس عظیم درس گاہ کی بنیاد پڑی جس کا ڈنکا عرصہ وراثتک برصغیر
کے طول و عرض میں بجاتا رہا۔

اسلامی شہرت اور بے مثال تدریسی صلاحیت
سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت
کی وجہ سے ۱۲۹۵ھ میں سلاطین دکن کے
استاذ کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ خاندان آصفیہ کا سب سے پہلا
طالب علم جس نے آپ کے سامنے زانوئے ادب جہم کیا اس کا نام آصف سادس میر
محبوب علی خاں تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں آصف سابع میر عثمان علی خاں بھی آپ کے حلقہ درس میں
داخل کئے گئے اور مسلسل بائیس سال تک زیر تعلیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میر عثمان علی خاں
کا دین اور دینی شعائر کے ساتھ گہرا لگاؤ آپ ہی کے حسن تربیت کا ثمرہ تھا۔

تعلیم سلوک و ربلا و اسلامیہ کا سفر مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے خلافت تھی اس لئے انھوں نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ بعد فراغ تعلیم ظاہری و باطنی انھوں نے تین بار بلا و اسلامیہ کا سفر کیا۔ پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے اس وقت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے تمام سلسلوں میں تجدید بیعت کی۔ اسی موقعہ پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایہ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث، اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال جامع مسانید امام اعظم، جو ہر النقی علی سنن بیہقی، اور احادیث قدسیہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سوانح نگار کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دائرۃ المعارف کا قیام دوران قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدرآباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو۔ جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدرآباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ۱۳۱۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانہ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرۃ المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گر انقدر خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعت علم و فن کی حیثیت سے مجلس دائرۃ المعارف کو علمی دنیا میں ایک

نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نسخے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

شیخ الاسلام کی تصنیفات

ایک شہرہ آفاق استاد اور ایک متبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک پختہ کار صاحب قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے شعری اور ادبی کمال کا اندازہ اُس طویل نظم کے چند بندوں سے اس کتاب کے قارئین نے کر لیا ہو گا جو پچھلے اوراق میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت کی گرالف قدر تصنیفات میں انوار احمدی، مقاصد الاسلام جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حقیقتہ الفقہ، افادۃ الافہام یہ دونوں کتابیں دودو حصوں پر مشتمل ہیں۔ کتاب الفضل، الکلام المرفوع، انوار اللہ الودود فی مسئلہ وحدۃ الوجود خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ترسٹھ سال کی عمر میں حضرت شیخ الاسلام نے اس سرانے فانی وصال شریف سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انھیں سپرد خاک کیا گیا جو آج تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را
حضرت کے معمولات

سوانح نگار نے حضرت کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ اور سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ دن کا وقت جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتا جسے وہ حبۃً باللہ انجام دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد فتوحات کلیہ کا درس دیتے۔ راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے ارواح قدسیہ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے۔

تہجد کی نماز سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ میں تشریف لے جاتے اور تدریس و افتار اور دعوت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے۔ یہی ان کے شب و روز کے معمولات تھے جسے زندگی کے آخری لمحے تک انھوں نے برقرار رکھا۔

اپنے پیش لفظ کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں صمیم قلب کے ساتھ دُعا کرتا ہوں کہ نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ اس کتاب مستطاب کی اشاعت سے میرا جو دینی مدعا ہے خدائے قدیر اُسے پورا فرمائے اور میری اس خدمت کو قبول کرے۔ اور حضرت شیخ کی اس گراں نمایہ کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر اپنی ہدایت و توفیق کا دروازہ کھولے جو فکری گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مکتبہ جام نور نئی دہلی کے منتظمین کا شکر یہ نہ ادا کروں جنہوں نے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ اس قابلِ فخر کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔

انچیر میں اہل علم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ کتاب کی نئی ترتیب و تہذیب میں اگر انھیں کہیں میرے قلم کی کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اسے اپنے دامنِ عفو میں جگہ دیں گے۔

اب آپ ورق الٹئے اور اصل کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

وما توفیقی الا باللہ وهو اسحٰم الراحمین۔ وصلى الله على
خير خلقته ونور عرشه سيدنا محمد رسول الله وعلى آله وصحبه
اجمعين۔

بندۂ گنہگار طالب رحمت غفار

ارشاد القادری

دفتر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء

نئی دہلی ۱۳

۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۸۹ء



الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَىٰ صَحْبِهِ الْمُرْتَدِينَ وَآلِهِ
الْمُهْتَدِينَ وَحَزْبِهِ الْجَمْعِينَ ۝

نعت گوئی بھی زبانِ قلم کا ایک جہاد ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث

مشہور صحابی رسول حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ سوال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری کی برائی میں
یہ آیت نازل فرمائی ہے اَلشَّعْرَ اَعْيَتِيْعَهُمْ اَلْغَاوُوْنَ ہ شعراء وہ ہیں جن کی گمراہ
لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ان کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ اب ایسی صورت میں شعر کہنا کیونکر
ہوا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ اَلْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ
وَبِلِسَانِهِ ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اس کے بعد
ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کفار کے
مقابلے میں تمہارا شعر بڑھنا تیرا اندام کی طرح ہے۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی
مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

دوسری حدیث

مشہور محدث حضرت ابن عبد البر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت کعب بن ربیع اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نعت گوئی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے مدافعت کے لئے تلوار سے بھی کام لیتا ہے اور زبان سے بھی۔ (استیعاب)

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں مصنف کتاب کا یہ تبصرہ حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور ان مخالفین کے جوابات، میں جو تنقیص شان کرتے ہیں اشعار کا لکھنا لسانی جہاد ہے جو تیر کی طرح کام کرتا ہے۔
(انوار احمد ص ۳)

تیسری حدیث

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زر قانی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار پڑھے حضور نے خوش ہو کر انھیں یہ دعا دی۔

لَا يَفْضُضُ اللَّهُ فَاكًا
أَيُّ لَا يُسْقِطُ اللَّهُ أَسْنَانًا
اللہ تمہارے منہ کی چہر نہ
توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں
اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔
(بیہقی)

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر سو برس کی ہو گئی تھی لیکن ان کے کل کے کل دانت صحیح و سالم تھے اور اولے کی طرح سفید تھے۔ راویان حدیث نے یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ :

اِذَا سَقَطَ لَكَ سِنٌّ بَنَتْ
لَهُ اُخْرٰى

جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو
بڑھاپے میں بھی اس کی جگہ نیا
دانت نکل آتا۔

(دارقطنی)

یہ سرتا سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ
کی خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔

حضور ہی کے وجود سے سائے عالم کا وجود ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے احادیث کے چہستانوں سے جو گہمائے رنگارنگ
جمع کئے ہیں ان کی خوشبو سے دنیا ہمیشہ معطر رہے گی۔ ذیل میں قارئین کرام حدیثوں
کی مہکتی ہوئی قطاریں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث

حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر
ایمان لاؤ اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت دوزخ کو، جب میں
نے پانی پر عرش کو بچھایا تو وہ ہلنے لگا۔ جب میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد
رسول اللہ لکھ دیا تو وہ ساکن ہو گیا۔

اور ابن سبع نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
پیامبر نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

مِنْ اَجَلِكَ اسْطَحُّ الْبَطْءُ
وَأَمْوِجُ الْمَوْجِ وَأَرْفَعُ
السَّمَاءَ وَأَجْعَلُ الثَّوَابَ
وَالْعِقَابَ -

آپ ہی کی وجہ سے میں نے
زمین کو بچھایا اور بہاتے ہوئے
دریا پیدا کئے اور آسمانوں کو بلند
کیا اور عذاب و ثواب کے ضابطے
مقرر کئے

(زررقانی علی الملوایب)

دوسری حدیث

حضرت ابن عمیر نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور پاک صاحب لولاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو۔ اور میں نے دنیا اور دنیا والوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ ان پر میں ظاہر کروں کہ میرے نزدیک آپ کا مرتبہ اور آپ کی بزرگی کیا ہے۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (المواہب اللدنیہ)

ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔
ایک ایک لفظ محبت و عقیدت کی خوشبو سے معطر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش خلق کا مقصود یہ ہے کہ حضرت کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو۔ پھر جب خداوند قدوس نے صرف اظہارِ فضیلت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضروری ہے کہ تمام عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت میں بہ دل و جان مصروف ہو۔ کیونکہ بادشاہ اگر کوئی عمدہ اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس چیز کی تعریف نہ کرے تو غیرت پادشاہی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں اسے سخت سزا دی جائے اور ایسا شخص سولے متمر و اور سرکش کے دوسرے ہوگا۔ اسی وجہ سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سولے سرکش جن و انس کے زمین و آسمان کی ہر مخلوق مجھے جاگتی پہچانتی ہے۔ (کتاب الشفار۔ بیہقی) (انوار احمدی ص ۱۱۱)

تیسری حدیث

ثعلبہ ابن مالک سے ابو نعیم نے اور جابر ابن عبد اللہ سے احمد، دارمی، بزار اور بیہقی نے اور عبد اللہ ابن جعفر سے مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ مدینہ کے کسی باغ میں ایک اونٹ تھا جو دماغی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا اس کی دہشت سے لوگ اس باغ میں نہیں جاتے تھے۔ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے اپنا ہونٹ زمین پر رکھ دیا۔ حضور نے اسے مہار لگا دی اور ارشاد فرمایا کہ نافرمان جن وانس کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

فائدہ

مصنف کتاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ حضور ہی کے لئے سارا عالم پیدا کیا گیا ہے اس لئے عالم کی ہر چیز حضور کو جانتی ہے۔ بلکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے کفار بھی حضور کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی برحق ہیں مگر مانتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ** یعنی کفار کو حضور کے نبی ہونے کا علم بالکل ایسا ہی جیسے اپنی اولاد کے بارے میں انھیں علم ہے کہ وہ ان کی اولاد ہیں۔

چوتھی حدیث

موہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر اور جنت کے در و دیوار پر ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ محمد کون ہیں جن کا نام تیرے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے ارشاد ہوا کہ **هَذَا وَوَلَدُكَ تُولَاةُ كَمَا خَلَقْتَنِي**۔ یہ تیرے فرزند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے نہ پیدا نہ کرتا۔ یہ سنتے ہی انھوں نے التجا کی۔ **يَا سَرَبِ بِعَرْمَتِهِ هَذَا تُولَاةُ**

اِرْحَمْ هَذَا الْوَالِدَ " اے میرے پروردگار اس فرزند جلیل کے طفیل میں اس کے باپ پر رحم فرما۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! اس کے وسیلہ سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے لئے بھی تم دعا کرتے تو میں تمہاری دعا ضرور قبول کرتا۔

پانچویں حدیث

امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، طبرانی نے معجم صغیر میں حاکم اور ابو نعیم نے دلائل میں ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ابن عساکر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انھوں نے عرش الہی کی طرف سر اٹھا کر دعا کی کہ الہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر دے، ارشاد ہوا کہ محمد کو تم نے کیونکر پہچانا، عرض کیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا کہ اس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا ہے اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ مقرب اور صاحب مرتبت اور کوئی تیرے دربار میں نہیں ہے۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو مجھے نہ پیدا کرتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت سے نکلنے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے کہ انھوں نے خدا سے خود دریافت کیا کہ محمد کون ہیں۔ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اس وقت تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف نہیں تھے۔ دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے اصولی طور پر ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہر سوال کا منشا ناواقفیت نہیں ہوتا۔ بعض مصلحتوں کی وجہ سے کبھی جانتے ہوئے بھی آدمی سوال کرتا ہے۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھا۔ اس لئے سوال سے حضرت آدم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا کہ خود خداوند قدوس کے

کے ذریعہ انھیں صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس کے دربار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے

اس موضوع پر حضرت مصنف نے اپنے علم و فضل کے جو گل و بوٹے کھلائے ہیں وہ عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے قلب و روح کی فرحت و سرور کا بہترین سامان ہیں۔ ایمان و عقیدت کی آنکھ میسر آئے تو ذیل میں رفعت ذکر مصطفیٰ کے بصیرت افروز دلائل کا مطالعہ کیجئے۔

پہلی دلیل

قاضی عیاض کی کتاب الشفاہ صحیح ابن حبان اور منداہی یعنی میں حضرت ابو سعید خدری سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن جبریل امین میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپ کا ذکر میں نے اس طرح بلند کیا ہے کہ جس وقت میں ذکر کیا جاتا ہوں آپ بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

مصنف کتاب اس حدیث کے ذیل میں یہ ایمان افروز نکتہ سپرد قلم فرماتے ہیں:

ابن عطا کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا اتمام و اکمال اسی بات پر مقرر کیا گیا ہے کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور یہ کہ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ (انوار احمدی ص ۹)

دوسری دلیل

آیت کریمہ **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** بغور سنو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں

سکون ملتا ہے کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ کے حوالہ سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ذکر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کا ذکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذکر محمد عین ذکر الہی ہے اور ذکر صحابہ عین ذکر محمد ہے کہ محمد کو اللہ نے سنوارا ہے اور صحابہ کو محمد نے آراستہ کیا

فائدہ

مصنف کتاب اسی مقام پر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد نے **بِذِكْرِ اللَّهِ** کی تفسیر میں **بِ مُحَمَّدٍ وَ أَصْحَابِهِ** جو کہا ہے یہ چند یہ ظاہر آیت شریفہ کا مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایک محدث جلیل القدر نے تفسیر کی ہے اس لئے اسے حسن ظن کے ساتھ مان لینا چاہیے کہ یہ حضرات تفسیر بالرائی نہیں کرتے۔ یقیناً انھیں سماعی طور پر اس تفسیر کی روایت پہنچی ہوگی۔
انوار احمدی ص ۲۰

تیسری دلیل

جامع صغیر اور اس کی شرح سراج المنیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں کا تذکرہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اولیاء اللہ کا ذکر گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر جنت سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

فائدہ

حضرت مصنف اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

جب انبیاء علیہم السلام اور سائر اولیاء اللہ کا ذکر عبادت اور کفارہ گناہ ٹھہرے تو سلطان الانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر

کس درجہ کی عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یقین ہے کہ اس ذکر پاک میں کچھ خصوصیت ایسی ضرور ہوگی جو دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔

انوار احمدی عشا

چوتھی دلیل

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہے کہ قیامت کے دن فقط قرآن کی ایک جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ان کے ذہن سے اللہ تعالیٰ بھلا دے گا یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب انہیں یاد دلائیں گے تو وہ حضور پاک صاحب لولاک کا ذکر کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فَتَخَمِدُ النَّارُ وَتَنْزِدُنِي
حضور کے ذکر شریف کی برکت سے آگ
مِنْهُمْ۔
بچھ جائے گی اور عذاب ہٹ جائے گا۔

مصنف کتاب اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ذکر محمد ذکر الہی نہ ہوتا تو ذکر محمد سے اللہ کا عذاب ہرگز نہ ملتا۔

پانچویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقاتی میں حافظ ابوظہر سلفی اور اپن بکیر کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو بندے قیامت کے دن اللہ کے حضور میں کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا انہیں جنت میں داخل کرو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! کس سبب سے ہم جنت کے مستحق ٹھہرائے گئے حالانکہ اپنی زندگی میں ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جس کا بدلہ جنت ہو۔ ارشاد ہوگا۔

أَدْخِلُهُ الْجَنَّةَ فَاِنِّي الْبَيْتُ عَلِيٌّ
نَمِ دُونَ جَنَّتِمْ فِي دَاخِلِمْ هُوَ جَاؤُ۔ اس
لَنْفُسِيْ اَنْ لَا يَدْخُلُ النَّارَ
لِيْ كَمْ فِي نِيْ اِنِّيْ ذَاتِ كِيْ قَسْمِ كَهَانِيْ
ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ
مَنْ اِسْمُهُ اَحْمَدُ وَ
دُوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔
لَا مِحْمَدُ۔

اس مقام پر حضرت مصنف ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان و عقیدت کی آنکھیں
دل ٹھنڈی کرتے ہیں۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ بعض مذاحدہ اور بد عقیدہ لوگ بھی نام مبارک
کے ساتھ وابستہ ہیں تو کیا دخوں جنت کا یہ پروانہ ان کے لئے بھی
ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سارے فضائل بلکہ جملہ اعمالِ حسنہ
بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے۔ کیونکہ سب سے مقدم خدا اور رسول پر
صحیح ایمان اور ان کی محبت ہے۔ جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہو تو ایسے
لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بیان
کرنا مقصود ہے کہ خدائے ذوالجلال کے دربار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم اتنے معظّم و محترم ہیں کہ حضرت کے نام کی توہین بھی حق تعالیٰ کو
گوارا نہیں۔
(انوار احمدی ص ۲۳)

چھٹی دلیل

محدث کبیر حضرت ابن عساکر کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے
س کے راوی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن
حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت شیت علیہ السلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ
سیت فرمائی کہ میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتہ
بودیت کی بنیاد پر استوار کرنا۔ جب اللہ کا ذکر کرنا تو اس کے ساتھ اس کے حبیب
نذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے ان کا نام مبارک عرش پر
لکھا ہوا دیکھا تھا جب میرے قالبِ خاکی میں پہلی بار روح داخل ہوئی تھی۔
پھر میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا مجھے کوئی ایسی جگہ
نہ ملنی جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں
رکھا وہاں کوئی محل، کوئی بالاخانہ، اور کوئی برآمدہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا نام نامی نہ کندہ ہو، میں نے حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر، شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، عرش الہی اور حریم قدس کے پردوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کی پتلیوں میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا دیکھا ہے۔ اس لئے ایک لائق و فائق بیٹے کی طرح میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ایک لمحہ بھی ان کی یاد سے غافل نہ رہنا۔ عالم ملکوت والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ انہی کے ذکر سے وہ اپنی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ فکر انگیز تبصرہ توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے، وصیت کی کہ آنحضرت کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں۔ ایک خاص نفع ذاتی ثبوت علیہ السلام کا کہ ذکر کی بدولت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مد نظر تھی۔ کیونکہ جب سب کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انہوں نے اپنے پیارے فرزند و لیعہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق (لائق بیٹے) ہوں گے، ضرور اس کام کی طرف رغبت کریں گے۔ اس پر اگر کسی ناخلف نے پدر مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اب اس موقع پر ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیائے اولوالعزم نے ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام و التزام چاہیے کیونکہ ہمارا تو دین و ایمان ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت ہے۔

(انوار احمدی ص ۲۶)

ساتویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حضرت ابو نعیم کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے سرانڈیپ (جزیرہ ہند) میں اتارے گئے تو انھیں وحشت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غم و اندوہ کے ازالہ کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اذان دی جس سے ان کی وحشت دور ہو گئی۔

فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف نے جو فائدہ فرمایا ہے وہ اہل عشق و ایمان کے لئے حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت و اندوہ کو دفع کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی بد اعتقاد قسّی القلب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں فرق ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ محل میں صلاحیت نہیں جیسا کہ ساری دنیا کے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیت قبول نہ ہو تو دو کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو کچھ تاثیر نہیں کرتی (انوار احمدی ص ۳۱)

آٹھویں دلیل

عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ

مواہب لدنیہ میں ابن عدی، ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابو نعیم جیسے اکابر محدثین کے حوالہ سے ایک نہایت عقیدت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک انصاری

نوجوان کا انتقال ہوا۔ ان کی ماں نہایت بوڑھی اور نابینا تھیں۔ انتقال کی خبر سن کر ہم لوگ ان کے گھر گئے اور نوجوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا انتقال کر گیا۔ ہم لوگوں نے جواب دیا ہاں! وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دُعا مانگی۔

اللَّهُمَّ إِن كُنْتَ تَعْلَمُ رَاتِي
هَاجَرْتُ إِلَيْكَ وَالِي نَبِيَّتِكَ
رَجَاءً أَنْ تَعِينَنِي عَلَى كُلِّ
مُسْتَقَّةٍ فَلَا تَحِبِّنَ عَلَيَّ
هَذِهِ الْهَيْبَةَ۔

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں
نے تیری اور تیرے نبی کی طرف
ہجرت اس امید پر کی ہے کہ تو ہر
سختی میں میری مدد کرے گا تو میرے
جوان بیٹے کا صدمہ میرے اوپر

مت ڈال۔

اس واقعہ کے راویان چشم دید بیان کرتے ہیں کہ دعا کے یہ الفاظ جیسے ہی تمام ہوئے نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہم سے باتیں کرنے لگا اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ اس وقت تک زندہ رہا کہ اس کی ماں کا انتقال اس کے سامنے ہوا۔

فائدہ

اس واقعہ کے ذیل میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی حسن عقیدت کی یہ لڑیاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیسا قوی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
نام پاک کا ان بی بی صاحبہ کے دل میں متکون تھا کہ بغیر سوچے ایسی نازک
حالت میں بھی ان کی زبان پر آگیا۔ اور کیسا اعتقاد تھا کہ شک کو کچھ موقعہ
ہی نہیں ملا۔ یہ عقیدہ اچھی طرح ان کے دل میں راسخ تھا کہ جب سب
گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت ہی کے ہوئے تو کسی ہی
معیبت کیوں نہ ہو جب اس ذریعہ سے دُعا کی جائے گی تو موت بھی ہوگی تو مل جائے گی۔

نور احمدی

جلالتِ شانِ مصطفیٰ کے رنگارنگ جلوے

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمہ کوثر کی ہراتی ہوئی موج بن گئی ہے۔ کہیں کہیں توجذبہ عقیدت کے تلاطم کی ایسی واپہانہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ جی چاہنے لگتا ہے کہ نوک قلم کو آنکھوں سے لگالیں، ہونٹوں سے چومیں اور دل میں اتار لیں۔ مومنین کے قلوب کو سرور میں ڈبو دینے والی ایسی مرصع عبارتیں کہ واپہانہ محبت کا نور سطر سطر سے ٹپک رہا ہے اور حقائق و معانی کی قدر و قیمت کا کیا پوچھنا کہ عشق و اخلاص کی خوشبو سے الفاظ کے دامن تک ہنک اٹھے ہیں۔ حضرت مصنف کے احساسات کے آپٹنے میں ایمان کا نقطہ عروج دیکھنے کے قابل ہے۔

پچھلے اوراق میں بیان کردہ احادیث طیبات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مصنف رقم طراز ہیں:-

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قدر و منزلت اور جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ حساب و شمار نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منشا اور سبب اس کا کیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دو برے رسول کے بعد ادا کرنے فرض منہی یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تسمین ہوتے لیکن اس کے کیا معنی کہ ہنوز عالم ہستی کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسان غیب سے آپ کی عظمت و نام آوری کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر

نظر پڑی وہ آپ ہی کا نام نامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا۔ شجر خلد کا ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا ہمیں پتہ نہیں۔ ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے اور بزبانِ جان «بعد از خدا بزرگ توئی قصہ» مختصر کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیائے الوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف آرزو آتمنی ہونے کی کوئی کر رہا ہے اور کوئی ان کے توسل سے مرادیں مانگ رہا ہے

معلوم نہیں قبل وجود کونسی جانفشانی آپ کی حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی کہ اس قدر عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابقین زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ یہاں عبودیت و عبادت کو کیا دخل! یہ تو ایک ایسی فضیلت خاص ہے جو قبل تخلیق عالم ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ اور جن و انس وغیرہ کے برابر عبادت کر کے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہوگا؟ معاذ اللہ! یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خالق عالم جل شانہ، ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر چکا۔ ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا، ابد کا حال بھی آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ جنت کی کنجیاں بھی حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور جنت کی سلطنت حضرت ہی کو مسلم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، اس فدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو انحصاراً ازل اور ابد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حمایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طبع تو درکنار خیال تک نہیں آسکتا کہ شرافت و فضیلت میں حضرت کے ساتھ برابری ڈھونڈے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک !
 اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین
 ہونا محال ہے۔ (انوار احمدی ص ۴۱)

عقیدہ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث

عقیدہ خاتم النبیین پر حضرت مصنف کے علمی دلائل، ایمانی شواہد، اور بصیرت افزا
 تینہاات کی شاندار بحث پڑھنے سے پہلے جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے شیخ محترم مولانا عبدالمجید
 صاحب کا یہ حاشیہ پڑھئے تاکہ بحث کے بنیادی گوشوں سے آپ پوری طرح باخبر ہو جائیں۔
 شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں۔

تخذیر الناس نامی کتاب میں خاتم النبیین کے مسئلے پر (مولانا محمد قاسم
 صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند) نے ایک فلسفیانہ بحث فرمائی ہے
 جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کسی کا مقدم زمانے یا
 متاخر زمانے یعنی اگلے اور پچھلے زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق
 نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی فضیلت
 پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکان ذاتی
 کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے۔“

اس شبہ کا ازالہ حضرت مولانا مرحوم ”مصنف کتاب“ نے اپنے
 اس مضمون میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :
 ”خاتم النبیین کا وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو
 آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مختص ہے کسی اور میں پایا نہیں جاسکتا۔
 خاتم النبیین کا لقب ازل ہی سے آپ کے لئے مقرر ہے۔ اس کا اطلاق
 آپ کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی

ہے۔ جزئی حقیقی وہ ہے جس کا اطلاق ایک سے زائد پر عقلاً ممتنع ہے لہذا ایسی صورت میں کسی اور خاتم النبیین کا ذاتی امکان باقی نہ رہا۔

اسی مضمون کو حضرت نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تخریر فرمایا ہے اور اس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام قدیم میں "خاتم النبیین" فرمایا ہے تو حضور ازل سے اس صفت خاص کے ساتھ متصف ہیں۔ ایسا کوئی زمانہ نہیں جو باری تعالیٰ کے علم اور کلام پر مقدم ہو۔ اور اس میں کوئی اور شخص اس صفت سے متصف ہو سکے۔ پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں منحصر ہے کسی دوسرے کا اس عنفت کے ساتھ اتصاف محال ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ کَلِّدُ عَيْتِهِ صَلَواتُہُ پڑھ کر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیئہ مستوجب دوزخ قرار دیا کرتے ہیں وہ اس سوال کا جواب دیں کہ کیا خاتم النبیین پر فلسفی بحث بدعت نہیں ہے۔ جو نہ قرآن میں ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہے، نہ قرونِ ثلثہ میں صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین نے خاتم النبیین پر ایسی کوئی بحث کی ہے۔

مزید براں اس بدعتِ قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ استدلال سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنف تحذیر الناس کا نام پیش کیا۔ اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش ہوگا جس نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ بلند کرو گے تو تمہارے سارے اعمال ضبط کر دیے جائیں گے۔

(محمد عبد الحمید شیخ، جامعہ نظامیہ انوارِ مدنی ص ۲۲)

اس حاشیہ کے بعد اب حضرت مصنف کی وہ زلزلہ فگن تنبیہات ملاحظہ فرمائیں جو لفظ خاتم النبیین کے سلسلے میں "تحذیر الناس" کے مصنف کے خلاف انہوں نے صادر فرمائی ہیں :

پہلی تنبیہ

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے کا خاتم النبیین ہونا محال و ممنوع ہے مگر یہ امتناع بغیرہ ہو گا نہ بالذات جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہو سکتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آسکتا۔ اور موضوع لہ اس لقب کا ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہو سکتا پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔

دوسری تنبیہ

پھر جب عقل نے یہ تعین نقل خاتم النبیین کی صفت کے ساتھ ایک ذات کو متصف مان لیا تو اس کے نزدیک محال ہو گیا کہ کوئی دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف ہو۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق ما یبذل انقول لہ حتی ابد الابد تک کے لئے یہ لقب مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ٹھہرا تو جزئیت اس مفہوم کی ابد الابد تک کے لئے ہو گئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلا شک قدیم ہے۔

تیسری تنبیہ

اب دیکھا جائے کہ مصداق اس صفت کا کب سے معین ہوا۔ سو ہمارا دعویٰ ہے کہ ابتدائے عالم امکان سے جسم قسم کا بھی وجود فرض کیا جائے

ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت معنویہ کے ساتھ متصف ہیں۔
 کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین
 فرما چکا۔ اب کون سا ایسا زمانہ نکل سکے گا جو باری تعالیٰ کے صفت علم و کلام
 پر مقدم ہو۔

چوتھی تنبیہ

غیرت عشق محمدی بڑی چیز ہے۔ جب اسے جلال آتا ہے تو ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا
 ہو جاتی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے اپنے محبوب کی تنقیص ذرا بھی
 برداشت نہیں۔ مصنف کتاب باوجودیکہ بہت نرم طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اس موقعہ پر
 ان کے قلم کا جلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی اور خاتم النبیین کے امکان کے سوال پر ان کے
 ایمان کی غیرت اس درجہ بے قابو ہو گئی ہے کہ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔
 میدان و فایں عشق کو سر بگفت دیکھنا ہو تو یہ سطر میں پڑھئے۔
 مصنف کتاب، تحذیر الناس کے مباحث کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں
 جو کل بدعت ضلالت پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔
 کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرون ثلثہ
 میں کسی نے کی تھی۔ پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق
 پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس
 کی گردن پر ہوگا؟

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور انور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے تو
 اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور عمل
 کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی (رواہ مسلم)

لکھتے لکھتے اس مقام پر عشق و ایمان کی غیرت نقطہ انتہا کو پہنچ گئی ہے غیظ میں ڈوبے ہوئے
ان کلمات کا ذرا تیور ملاحظہ فرمائیے! تحریر فرماتے ہیں۔

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا
کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح
کے شاخسانے نکالے گئے۔

یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی
کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار
ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے
خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔
جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین
کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشر و دودم (دودھاری تلوار) ان سے
لے کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔

پانچویں تنبیہ

افسوس ہے اس دُھن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس
خاتم فرضی کا انتظار کتنے کنوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر
اس تقریر نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف لام
خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر
چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کے بعد بھی انبیاء پیدا ہوں گے اور
ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔

معاذ اللہ اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔
 ذرا سوچئے تو کہ حضور کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمالات
 حضور کے روبرو نکلے جاتے تو حضور پر کس قدر شاق گزرتا۔

چھٹی تنبیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے
 مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر حضور کی حالت کس قدر متغیر ہو گئی
 تھی کہ چہرہ مبارک سے غضب کے آثار پیدا تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم
 کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو
 لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے
 ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے
 میرے اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے
 صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و
 عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی
 اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جلے گی؟ ہرگز نہیں۔ حق تعالیٰ
 ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَ
 رُسُلَهُ لَنَعْنَهُمُ اللَّهُ فِي
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ
 لَهُمْ عَذَابًا مَّهِينًا

جو ذگ ایدادیتے ہیں اللہ کو اور اس
 کے رسول کو لعنت کرے گا اللہ ان
 پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔
 اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے
 ذلت کا عذاب۔

انوار احمدی ص ۷۵

درود و سلام کی نورانی بحث

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف نے صفحہ قرطاس پر علم و حکمت اور عشق و عرفان کے ایسے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگہ گاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ چونکہ درود و سلام بارگاہ رسالت میں تقرب کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے اس لئے مصنف کتاب نے اس بحث کو علمی نوادرات اور عقیدہ و اخلاص کے محرکات سے اتنا آراستہ کر دیا ہے کہ اس کے بے لاگ مطالعہ کے بعد دلوں کو وہمانہ محبت کی وارفتگی سے بچا لینا بہت مشکل ہے۔ الا آئیے کسی کے دل ہی پر سیہ بختی کی مہر لگ گئی ہو۔ حضرت مصنف نے درود و سلام کے سلسلے میں بحث کے اتنے نئے نئے گوشے پیدا کئے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور قوت فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔

آنے والے صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ حضرت مصنف اس طبقے سے پوری طرح باخبر ہیں جو درود و سلام کا مخالف ہے یا دوسرے لفظوں میں درود و سلام کو فروغ دینے والی روایات و محرکات کا دشمن ہے۔

درود شریف کے فوائد و برکات اور فضائل و مناقب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مصنف رقمطراز ہیں :-

درود شریف کی برکت سے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے۔ پردہ غیب سے رزق کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ درود و سلام ایک ممشد کی طرح قلوب کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ورد رکھنے والے کو گناہوں کی آلودگی اور نفس کی شرارت سے محفوظ رکھتا ہے

اس کا ثواب پہاڑوں کے برابر صدقہ دینے اور غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ درود شریف گناہوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے۔ درود پڑھنے والا مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ جنت میں اس کا کہاں ٹھکانہ ہے۔ قیامت کی ہولناک گھڑی میں درود شریف پڑھنے والے کو عرش الہی کا سایہ نصیب ہوگا اور ہول اور دہشت سے نجات پائے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و قربت اسے میسر آئے گی۔ اور آخرت کی سرفرازی اور کامیابی اسے حاصل ہوگی۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا قبر کی وحشت سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔

(انوار احمدی ص ۵۷)

درود شریف کے اہتمام کی ضرورت

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کثرت سے ہو۔ اسی لئے جملہ مومنین کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ میں خود بھی اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی مشغول ہیں لہذا اے ایمان والو تمہیں بھی چاہئے کہ تم بھی اسی کام میں مشغول رہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب خود خداوند قدیر اور اس کے تمام فرشتے تہاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں تو بطریق اونی ہمیں چاہئے کہ پوری جانفشانی اور دلدادگی کے ساتھ تم اس کام میں مشغول رہو کیونکہ تم اس نبی کے امتی بھی ہو اور اس کے احسان کے نیچے تمہارا بال بال دبا ہوا بھی ہے۔

ابت کی مغفرت و نجات کے لئے اگر اپنے رسول کے گریہ شب

اور مناجات سحر کا شکر یہ تم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہو۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک طرف امتی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور دوسری طرف ان کے ذکر سے گریز کا راستہ بھی تلاش کرتے ہو۔

اس کے بعد مصنف کتاب نے درود شریف کے فضائل پر دو حیرت انگیز اور ایمان افروز حدیثیں پیش کی ہیں۔

فضائلِ درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں

پہلی حدیث

کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میں نے مجھے خبر دی ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس کے بدلے میں حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور دس بار اس کے درجے بلند کرتا ہے اور ایک فرشتہ درود پڑھنے والے کے حق میں وہی الفاظ کہتا ہے جو وہ آپ کے حق میں کہتا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ فرشتہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر درود پڑھے وہ فرشتہ جواب میں کہے کہ تجھ پر بھی خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔

فائدہ

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب ایک عجیب و غریب نکتہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب دیکھئے درود شریف پڑھنے کا حکم ۱۰۰ بار میں صادر ہوا لیکن درود پڑھنے کا صلہ دینے کے لئے وہ فرشتہ پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف

کی کیسی قدر و قیمت ہے اور اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے
حق تعالیٰ نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون سے اس بات
کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہونگے
اور وہ فرشتے ہیں۔ (ص ۵۸)

دوسری حدیث

سونے کا قلم چاندی کی دوات اور نور کا کاغذ

مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں کہ

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ
وہ آنکھیں بند ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران انھیں مجسوس ہوا کہ جو
درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اسے کاغذ پر لکھ رہا ہے جب انھوں نے
اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو گیا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث کنز العمال میں حضرت ویلی کے حوالہ سے نقل کی گئی
ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو جمعہ کی رات اور دن کے وقت آسمان
سے نازل ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کے کاغذ
ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا
درود شریف لکھتے رہیں۔

اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے:

بَايِدُ يَهُمُّ أَقْلَامٌ مِّنْ ذَهَبٍ
وَدَوِيٌّ مِّنْ نِّصَّةٍ وَقَرَّاطِيْسٌ
مِّنْ نُورٍ لَا يَكْتُبُونَ إِلَّا
الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم
چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ
ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ
وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا
جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ

مصنف کتاب نے طبرانی کے حوالے سے ایک نہایت رقت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھر سے نکلے جب مدینے کے ایک چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ جب وہ حضور کے قریب پہنچا تو اس طرح سلام عرض کیا۔
 أَسْلَمَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ حضور نے اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔

اسی درمیان ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا :
 یا رسول اللہ یہ دیہاتی میرا اونٹ چرا کر لئے جا رہا ہے۔ اس پر اونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی جسے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ تو میرے سامنے سے دفع ہو جا۔ — اونٹ خود گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی سے فرمایا کہ جس وقت تو میری طرف آ رہا تھا اس وقت تو کیا پڑھ رہا تھا۔ اس نے عرض کیا میرے باپ آپ پر قربان ہوں۔ اس وقت میں درود شریف پڑھ رہا تھا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا تَبْقَى مِنَ الصَّلَاةِ شَيْءٌ، اللَّهُمَّ
 سَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا يَبْقَى مِنَ السَّلَامِ شَيْءٌ، اللَّهُمَّ
 بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا تَبْقَى مِنَ الْبَرَكَاتِ شَيْءٌ، اللَّهُمَّ ارْحَمْ
 مُحَمَّدًا حَتَّى لَا تَبْقَى مِنَ الرَّحْمَةِ شَيْءٌ۔

یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ وصول کرنے کے لئے آسمانوں سے اتنے فرشتے نازل ہوئے کہ مدینہ کے آسمان کا سارا افق فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث سے مصنف کتاب نے استدلال کیا ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت

آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور حضور کو پڑھنے والے کے منہ سے درود شریف کے نکلے ہوئے الفاظ تک نظر آتے ہیں۔

حضور کے دربار میں درود و سلام کس طرح پہنچتا ہے

مصنف کتاب نے اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تین طریقوں سے درود و سلام پہنچتا ہے۔

پہلا طریقہ

یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے منہ سے نکلے ہوئے درود و سلام کے الفاظ لے کر عرش الہی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ راستے میں جس فرشتے پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔
 صَلُّوا عَلَيَّ قَائِلِيهَا كَمَا صَلَّى عَلَيَّ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (القول ابديہ ملك الغمام)
 یعنی اس درود پڑھنے والے کے لئے بھی اسی طرح رحمت کی دعا کرو جس طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے۔

جب بارگاہ رب العزت میں وہ درود و سلام پیش کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے :
 اذْهَبُوا بِهَا إِلَى قَبْرِ عَبْدِ يَسْتَغْفِرُ لِقَائِهَا وَيَقْرَأُ بِهَا عَيْنُهُ

درود الایلی عن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یعنی اس درود کو میرے محبوب کی قبر شریف کی طرف لے جاؤ اور ان کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ درود پڑھنے والے کے لئے دعائے مغفرت کریں اور درود شریف کے ذریعہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں :

اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ہدیہ درود بارگاہ مرجع عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرت بہ نظر عزت افزائی اسے اپنی بارگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیننے والے

کو بدلتے خیر یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! عنایت و اکرام کا کیسا عظیم الشان
ذریعہ قائم کیا گیا کہ اب تک کسی کو نصیب ہوا کہ ہم لوگ درود پڑھیں تو ہمارا
ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے۔ ۶۶

دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تحفہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے دربار گہرا رہا۔ براہ راست خوب پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں
حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل
فرمائی ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

میری وفات کے بعد تم میں سے جو شخص بھی
مجھ پر سلام بھیجے گا اسے جبریل امین اپنے
ساتھ لے کر میرے پاس حاضر ہوں گے
اور عرض کریں گے کہ فلاں ابن فلاں نے
آپ پر سلام بھیجا ہے میں جواب میں
کہوں گا کہ اس پر بھی سلام اور اللہ
کی رحمت و برکت نازل ہو۔

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ
عَلَيَّ إِذَا مِتُّ إِلَّا جَاءَ رَجُلٌ
سَلَامُهُ مَعِ جِبْرِئِيلَ وَ
يَقُولُ يَا مُحَمَّدُ هَذَا فُلَانُ
ابْنُ فُلَانٍ يَقْرَأُكَ السَّلَامَ
فَأَقُولُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَ
رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خاص ایک فرشتہ اسی خدمت پر مامور ہے کہ وہ روئے
زمین کے طول و عرض میں پیش کئے جانے والے درود و سلام کا تحفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
تک پہنچائے۔ جیسا کہ کثر اعمال میں امام طبرانی کی روایت سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے جس کے اصل راوی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضور
نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا،

اے عمار اللہ کا ایک فرشتہ ہے
جسے اللہ نے جملہ مخلوقات کی آواز
سننے کی قدرت عطا کی ہے اور
وہ میرے انتقال کے بعد میری

يَا عَمَّارُ إِنَّ لِلَّهِ مَلَكًا
أَعْطَاهُ سَمَاعَ الْخَلَائِقِ وَ
هُوَ قَائِمٌ عَلَى قَبْرِي إِذَا
مِتُّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيَسِّنْ

قبر پر قیامت تک کھڑا رہے گا اور
میرا جو امتی مجھ پر درود پڑھے گا
وہ اس کے نام اور ولدیت کے
ساتھ اس کا بھیجا ہوا درود مجھ تک
پہنچائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے
ہر درود کے بدلے میں اس پر دس
رحمتیں نازل فرمائے گا۔

أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِي صَلَّى عَلَيَّ
صَلَاةً إِلَّا لِيُسَبِّحَنِي بِاسْمِهِ
وَإِسْمِ أَبِيهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ
صَلَى فَلَانُ عَلَيْكَ كَذَا وَ
كَذَا فَيُصَلِّي الرَّبُّ عَلَيَّ
ذَلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ
عَشْرًا -

کنز العمال میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

بھی نقل ہوئی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ
کہ اللہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر
مقرر کیا ہے۔ جب میرا کوئی امتی مجھ
پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا
ہے کہ اے محمد فلاں کے بیٹے
فلاں نے ابھی آپ پر درود
پڑھا ہے۔

أَكثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ
فَإِنَّ اللَّهَ وَكُلَّ رِيٍّ مَلَكًا
عِنْدَ قَبْرِي فَإِذَا صَلَّى
رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي قَالَ
ذَلِكَ الْمَلَكُ يَا مُحَمَّدُ
إِنَّ فُلَانًا ابْنَ فُلَانٍ
صَلَّى عَلَيْكَ السَّاعَةَ
(دہلی)

تیسرا طریقہ

یہ ہے کہ ہر امتی کا درود و سلام حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم
بذات خود اپنے گوش مبارک سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبرانی کے حوالہ سے محدث کبیر
ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب الجواہر المنظمہ میں حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے
اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے
صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کی

لَيْسَ مِنْ عِبْدِي يُصَلِّي
عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ فَمَلْنَا
يَا رَسُولَ اللَّهِ وَبَعْدَ وَفَاتِكَ

وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ نے انبیاء کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔

قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي رِزَانًا
اللَّهُ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضِ
أَنْ تَأْكَلَ أَحْسَادَ
الْأَنْبِيَاءِ -

سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال

حضرت فاضل مصنف یہ ساری حدیثیں نقل کرنے کے بعد سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

جب اتنی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہیں اور وہ ان واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہل ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا۔ اس لئے کہ مبنی شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفتہ لازم آتا ہے (یعنی اگر حضور کے بارے میں دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو خدا کے ساتھ برابری لازم آجائے گی۔ لیکن جب فرشتے دور سے ہر شخص کا درود و سلام سن لیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ صفت خدا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس نے یہ صفت اپنی مخلوق کو بھی عطا کی ہے) پھر جب آنحضرت کے خدام میں یہ صفت بطریق اولیٰ اور بدرجہ اتم موجود ہو۔ جیسا کہ حدیث مابقی میں خود حضور نے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کی آواز خود سنتا ہوں تو حضور کے احاطہ علمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (منہ)

ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب

فاضل مصنف نے ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت شاندار بحث کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب اپنے غلاموں کا درود و سلام حضور خود سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا درود و سلام پہنچانے کے لئے پھر فرشتے کیوں مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی تو بندوں کے اعمال بذریعہ ملائک ہی پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ عالم الغیب ہے۔ بندوں کے سارے اعمال و افعال سے وہ باخبر ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بذریعہ ملائک اعمال پیش کئے جانے کی وجہ لاعلمی نہیں بلکہ سطوت شہانہ اور شوکت حاکمانہ کا اظہار ہے۔ یہی حکمت فرشتوں کے ذریعہ درود و سلام کی پیشی میں بھی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور کی قبر شریف کے پاس بھی اگر کوئی شخص درود و سلام پیش کرتا ہے تو اسے بھی حضور تک فرشتے ہی پہنچاتے ہیں اس سے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ۔

جو بندہ بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام کرتا ہے۔ اس کا سلام مجھ تک وہ فرشتہ پہنچاتا ہے جو اس کام کے لئے مقرر ہے۔ اس کا سلام دنیا و آخرت کی جملہ بہات کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس پر گواہی دوں گا۔

مَا مِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ
عِنْدَ قَبْرِي اِلَّا وُكِّلَ اللهُ
بِهِ مَلَكًا يُبَلِّغُنِي وَكْفِي اَمْرُ
اٰخِرَتِهِ وَدُنْيَاہُ وَكُنْتُ بِہِ
شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔
(کنز العمال)

اس کے علاوہ سلام پہنچانے پر بہت سے فرشتے معمور ہیں جو ہمیشہ اسی تلاش میں پھر اترتے ہیں۔ اور جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ مسالک الحنفیہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے:

اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرا جو احسی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے وہ اس کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

قَالَ اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِكَةً
سَيّٰحِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ عَنِّ
اُمَّتِی السَّلَامَ۔

(احمد، نسائی، دارمی، بیہقی)

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف پہنچانے کے دو ذریعے ہیں اسی طرح سلام پہنچانے کے بھی دو ذریعے ہیں۔ ایک حضرت جبریل دوسرے یہ ملائکہ سیاحین۔ اس کے بعد حضرت مصنف نے درود شریف کی فضیلت میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو نہایت عظیم الشان ہیں۔

پہلی حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص میرے حق کی تعظیم و تکریم کی نیت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اس کلمہ سے ایک ایسا عظیم الجثہ فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا بازو مغرب میں اور پاؤں تحت الثریٰ میں اور عرش الہی کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے حق میں تو بھی رحمت و مغفرت کی دعا مانگ جس طرح اس نے میرے پیارے نبی پر درود بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ فرشتہ قیامت تک اس بندے کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا کرتا رہے گا۔

(روایت کیا اس حدیث کو ویلی نے مسند الفردوس میں اور ابن شاہین نے ترغیب میں)

دوسری حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیئے ہیں جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ اور مجھ کو سارے نبیوں پر فضیلت دی۔ اور میری اُمت کے لئے اعلیٰ درجے مقرر فرمائے کہ وہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منظوش ہے وہ اتنا طویل القامت اور عظیم الجثہ ہے کہ اس کا سر عرش الہی کے نیچے اور اس کا پاؤں تحت الثریٰ میں ہے۔ اور اس کے اتنی ہزار بازو ہیں، اتنی ہزار پیر ہیں۔ اور پیر کے نیچے اتنی ہزار رونگٹے ہیں۔ اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہمید کرتا ہے۔ اور اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے۔

(روایت کیا اسے ابن بشکوال نے)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

شاید اتنے بڑے فرشتوں کا وجود مستبعد سمجھا جائے تو میں

سوال کروں گا کہ استبعاد کی وجہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الجثہ فرشتوں کے پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ قاصر کہنا تو عقلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے باطل اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرت تخلیق کے لئے چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق دونوں برابر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر کے لفظ کُن کہتا اور وہ چیز فوراً وجود میں آگئی۔ (ص ۸)

صَلَاةَ كے معنی کے تعین میں ایک شاندار علمی بحث

حضرت فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں صَلَاةَ كے معنی کی تفسیر میں ایک نہایت شاندار علمی بحث فرمائی ہے جو اہل ایمان کے لئے قابل دید ہے۔

پہلا معنی

خطیب شریبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لغت میں صَلَاةَ كے معنی دعا کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سَلَامٌ اے ان پر صَلَاةَ بھیجئے یعنی ان کے لئے دعا کیجئے۔ اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ بيشك آپ کی صَلَاةَ یعنی آپ کی دُعا ان کے لئے تسکین کا موجب ہے۔ اور بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
تم میں سے کوئی شخص بھی جب تک درود
پڑھنے میں مصروف رہتا ہے جب تک
کہ وہ بے وضو نہ ہو اس کے حق میں
فرشتے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے
ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال الْمَلَائِكَةُ
تُصَلِّي عَلَيَّ اِذَا كُنْتُ اَحَدُكُمْ
فِي الصَّلَاةِ مَا لَمْ يَحْدُثْ
تَقُولُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ
اَوْ رَحْمَةً

اس حدیث پاک اور آیات قرآنی سے واضح ہو گیا کہ صَلَاةَ كے معنی دعا کے ہیں

دوسرا معنی

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر صلوة کے معنی دُعا کے لئے جائیں تو ایسی صورت میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ ہوں گے کہ اب اللہ تو دعا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی خدا کی جناب میں صادق نہیں آتے کیونکہ دُعا مانگنا بندوں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اس لئے صلوة کے معنی رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ شرح مواہب لدنیہ میں ہے۔ قَالَ الْمُبَرِّدُ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّهِ الرَّحْمَةُ وَالْإِنْفَاعُ۔ یعنی اللہ کی عزت سے صلوة کے معنی رحمت اور انعام کے ہیں۔ امام سیوطی نے اپنی تفسیر در منشور میں ہُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ کی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ صَلَاتِيْ رَحْمَةً سَبَقَتْ غَضَبِيْ۔ میری تسبیح سے مراد میری رحمت ہے جو میرے غضب پر غالب ہے۔

اور امام باقر صبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے الصلوة من اللہ عزوجل ہی رحمتہ ومن الملائکۃ الاستغفار ومن الامۃ الدعاء۔ جب صلوة کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس سے رحمت مراد ہوگی اور جب مَلَائِکَہ کی طرف ہوگی تو اس سے استغفار مراد ہوگا اور جب امت کی طرف ہوگی تو اس سے دُعا مراد ہوگی۔

تیسرا معنی

صلوة کے تیسرے معنی تعظیم و ثنا کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:
قَالَ ابُو الْعَالِيَةِ صَلَاةُ اللَّهِ تَنَاءَةً عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ
حضرت ابو العالیہ نے کہا کہ نبی پر اللہ کی صلوة سے مراد نبی کی ثنا بیان کرنا ہے فرشتوں کے مجمع میں۔

امام قسطلانی کی سیرت کے مطابق یہی معنی ابن قیم کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء القلوب میں کئی دلیلیں اس بات پر قائم کی ہیں کہ صلوة کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔ ان کے دلائل کی تفصیل یہ ہے۔

پہلی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَوْ لَعْنَتِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت ہے۔ یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور یہ بات اہل زبان کے نزدیک مسلم ہے کہ عطف مفاہرت کو چاہتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صلوة کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔

دوسری دلیل

علماء کی صراحت کے مطابق صلوة انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہے اور ان کے واسطہ سے عامہ مومنین بھی اس میں شامل ہیں لیکن رحمت کا مفہوم اتنا عام ہے کہ وہ مومن و غیر مومن، انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ صلوة اور رحمت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

تیسری دلیل

اگر صلوة کے معنی رحمت کے ہوں تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے چاہیے کہ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَوْ اَلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ رحمت نازل فرما ہمارے آقا محمد اور ان کی آل پر کہنے سے واجب ادا ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نہ کہا جائے واجب ادا نہ ہوگا۔

چوتھی دلیل

عرب کے عرف کے مطابق اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے کھانا کھلا دیا تو زبان عرب میں اسے رَحْمَةٌ کہا جاتا ہے۔ یعنی اس نے اس پر رحم کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جاسکتا۔ دیکھئے یہاں رحمت کا مفہوم صادق آتا ہے لیکن صلوة کا نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ

صلوٰۃ اور رحمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

پانچویں دلیل

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو آیت شریفہ ان اللہ و ملائکتہ کے معنی یہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت نازل کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لہذا اے ایمان والو تم بھی دعا کرو ان کے لئے۔ وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے کلام کے اول و آخر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر صلوٰۃ کے معنی تعظیم و ثنا کے ہوں تو آیت کا مضمون مربوط ہو جائے گا۔ اللہ اور فرشتوں کی ثناء تو ظاہر ہے لیکن مومنین کی صلوٰۃ بصورت دعا بھی ثناء کو متضمن ہوگی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ سے ثناء طلب کرنا بھی ایک طرح کی ثناء ہے۔

چوتھا معنی

بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد مغفرت ہے جیسا کہ امام قسطلانی اپنی کتاب مسالک الخنفار میں تحریر فرماتے ہیں ان صلوٰۃ اللہ مغفرتہ۔ یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی مغفرت ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس سے اس دعوے پر انھوں نے استدلال کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی الرَّسُوْلِ نَازِل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا۔

سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں اب صلوٰۃ کا طریقہ کیا ہوگا جبکہ خداوند قدوس نے آپ کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دئے۔ فرمایا اس حکم کی تعمیل میں اللہم صل علی محمد کہا کرو۔

هٰذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَا هُ
فَكَيْفَ الصَّلٰوَةُ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ
لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ
وَمَا تَاخَّرَ قَالَ قَوْلُوا اللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

اس حدیث میں صحابہ کرام کے سوال سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے صلوٰۃ کے لفظ سے مغفرت کے معنی سمجھا۔ اس لئے انھیں تردد ہوا کہ مغفرت کرنے کا کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر بندوں کو مغفرت کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا۔ یا اس لئے انھیں تردد ہوا کہ سورہ فتح کی

مشہور آیت کریمہ کے ذریعہ مغفرت کا پروانہ تو حضور کو مل چکا اب دوبارہ مغفرت کا مطلب کیا ہوگا۔ اس لئے صلوٰۃ کے امتثال میں انہیں سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور کے فرمان کے بعد اسے امتثالاً لامر صحابہ کرام نے قبول کر لیا۔

ایک ایمان افروز حدیث

نوید مغفرت کے سلسلے میں حضرت فاضل مصنف نے قاضی عیاض کی کتاب الشفا سے ایک ایسی روح پرور حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس سے دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے۔ اور حضور کی جلالتِ شان مہر نیمروز کی طرح سب پر روشن ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک موقعہ پر جبکہ میں رب العزۃ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ارشاد ہوا اے محمد! کچھ سوال کرو۔ میں نے عرض کیا میں کیا سوال کروں اے میرے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، اور حضرت نوح کو برگزیدہ کیا۔ اور حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی اور کو سزاوار نہیں۔ ارشاد ہوا جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔

میں نے تمہیں کوثر دیا، اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ وہ آسمان میں ہر طرف پکارا جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے اور تمہاری امت کے لئے میں نے ساری روئے زمین کو طیب و طاہر بنایا اور تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے اب تم ایک مغفور کی شان کے ساتھ زمین پر چل رہے ہو۔ تم سے پہلے ان عنایات بیکراں کا کوئی بھی حامل نہیں بن سکا۔ اور تمہاری امت کے دلوں کو میں نے اپنی جلوہ گاہ بنایا اور تمہیں شفاعت کے اس منصبِ جلیل پر فائز کیا کہ یہ درجہ اب تک کسی نبی کو نہیں مل سکا۔

اس مہکتی ہوئی اور حکمتی ہوئی حدیث کی خوشبو سے آپ کے قلوب معطر اور آپ کی آنکھیں منور ہو گئی ہوں تو اب پھر اسی سلسلہ بحث کی طرف پلٹ آئیے کہ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں۔

۸۵ فیصلہ کن بات

ان ساری تفصیلات کے بعد حضرت فاضل مصنف صلوٰۃ کے معنی کے سلسلے میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرماتے ہیں۔

ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمال تعظیم اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور علوئے شان اور رفعت منزلت و درود شریف کی ثابت ہو۔ یہاں تک کہ جنھوں نے صلوٰۃ سے رحمت مراد لی ہے اُن کا بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رحمت عامہ ہے۔ بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص کی گئی ہے۔ جیسا کہ زرقانی نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحب مواہب نے صلوٰۃ و رحمت میں مفاہرت کو ثابت کرنے کے لئے آیت کریمہ اَمْ لِيْكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ تَرْتِيْبِهِمْ وَرَحْمَةٌ مِّنْ اَسْتِدْلَالِ کیا ہے۔

ایک بصیرت افروز نکتہ

حضرت فاضل مصنف نے حکم صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم احکام خداوندی کا جائزہ لو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جہاں جہاں بھی کوئی حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز کے حکم کی تعمیل میں قیام رکوع اور سجدے کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم کے امتثال میں بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ بخلاف درود شریف کے کہ حکم صلوٰۃ کی تعمیل میں کوئی کام نہیں کیا جاتا بلکہ اسی لفظ کو خدا کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اِنَّهُمْ صَلَّى عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ عَلِيمٌ۔ یہ بلاشبہ ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے جواب میں خداوند قدوس

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فَقَاتِلَا اِنَا هُنَا قَاعِدُوْنَ کہا تھا۔ تم دونوں خود لڑو ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔

لیکن یہاں بنی اسرائیل کی طرح باغیانہ سرکشی یا حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ «صَلُوْةَ عَلٰی النَّبِیِّ» کا مطلب جب رفع درجات اور اعتنائے شانِ مصطفیٰ ہے تو بندوں میں اس کا یارا کہاں! اب حکم سے عہدہ برآ ہونے کی صورت سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے بندے خود رب العزت سے درخواست کریں کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ! تو ہی اپنے پیارے نبی کی شان بلند فرما اور ان کی عزت و تکریم میں بے پایاں ترقی عطا کر کہ تو ہی اس کی قدرت بھی رکھتا ہے اور اپنے نبی کے رتبے سے بھی واقف ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتہ سے استفادہ

حضرت فاضل مصنف نے تفسیر تاویلات القرآن کے حوالہ سے امام ابو منصور ماتریدی کا ایک علمی نکتہ سپرد قلم فرمایا ہے۔

امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت موجود ہے لیکن اُن میں سے بعض چیزوں کا وجود محسوس ہوتا ہے اور بعض چیزوں کا وجود عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماورا ہے۔ اور ہر شے کی حقیقت اپنا ایک مخصوص تشخص رکھتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ دوسری شے کی حقیقت سے ممتاز ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر احادیث کی صراحت کے مطابق موت کی صورت دینے کی ہے جو قیامت کے دن ذبح کی جائے گی۔ اور نیل و فرات تام کی دو نہریں جو زمین پر بہتی ہیں ان کا منبع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ کلمۃ الحمد لشد قیامت کے دن میزان کو بھروسے گا اور کلمۃ سبحان اللہ اور کلمۃ اللہ اکبر زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور نماز ایک نور ہے۔

اسی طرح حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں۔ حضرت جبریل امین جت کبرے رنگ کے گھوڑے پر لاد کر میرے پاس آئے۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جن کا وجود حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت و موجود ہے لیکن ان کا مشاہدہ

عام انسانوں کی قوت ادراک سے بالاتر ہے۔
 اتنی تفصیل کے بعد مصنف کتاب نے اپنے ایمانی احساسات کی جوت جگاتے ہوئے
 اپنے علمی کمالات کے وہ جواہرات بکھرے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اسی طرح درود شریف کا حال بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک ممتاز شعبے
 اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں ہے اور نہ ادراک اس کا
 جو اس جسمانیہ سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 روحانیت مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے اور تعجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم اسے دیکھ بھی لیتے ہوں۔ کیونکہ ملکوت و لاہوت اور دوسرے عالم کی
 اشیاء جن تک ہماری قوت ادراک کی رسائی دشوار ہے، آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس و مشاہد تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے کہ
 قیامت کے دن کی اشیاء کو حضور یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے (ص ۹۲)

اپنے اس دعوے پر کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن تک ہماری قوت ادراک کی
 رسائی نہیں ہو سکتی لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غیبی قوت ادراک سے ان کا مشاہدہ
 فرماتے ہیں، حضرت فاضل مصنف نے دلائل کے انبار لگا دئے ہیں۔ اب ذیل میں ان دلائل
 کے مطالعہ سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی پہلی دلیل

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ارشاد فرمایا کہ میں خانہ کعبہ کے قریب تھا کہ بیت المقدس میرے سامنے پیش کیا گیا۔ اب
 اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

میں اُسے اور اس کے اندر کی چیزوں
 کو دیکھنے لگا اور میں نے جہنم اور اہل جہنم
 کو بھی دیکھا۔ اسی طرح میں نے جنت
 اور اہل جنت کو بھی دیکھا قبل اس کے

فَجَعَلْتُ النُّظْرَ إِلَيْهِ وَإِلَى
 مَا فِيهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ
 وَأَهْلَهَا بِرَأْسِ الْعُنَّةِ

فِي الْجَنَّةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا
كَمَا أَنْظَرُ إِلَيْكُمْ

کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ اور ان
ساری چیزوں کو میں نے بالکل اسی
طرح دیکھا جیسے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔

(رواہ الویلی فی مسند الفردوس)

مکہ میں بیٹھ کر بیت المقدس کا مشاہدہ کرنا اور اس دنیا میں رہ کر جنت و دوزخ کے
مناظر دیکھنا، عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی دوسری دلیل

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز پڑھی۔ اس وقت حضور پر ایسی کیفیت طاری
تھی کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور منبر پر تشریف لے
گئے اور ارشاد فرمایا۔

ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ وَ اِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ وَ اَنَا فِي مَقَامِي هَذَا اَوْرِئِ
یہیں سے کھڑے کھڑے اسے دیکھ رہا ہوں۔ وَ قَدْ أُعْطِيتُ مَقَارِبَ حَزَائِنِ الْاَرْضِ۔
اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین)
غور فرمائیے! ان میں سے کونسی چیز ایسی ہے جن کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ ادراک
کر سکتے ہیں لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ علمی دیکھئے کہ ان کی نگاہ پر کوئی حجاب
حائل نہیں ہے۔ وہ اسی جہاں آب و گل سے عالم غیب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی تیسری دلیل

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم سید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنِّي اَسْمَعُ
مَا لَمْ تَسْمَعُوْنَ وَ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ۔ میں غیب کی وہ ساری چیزیں دیکھتا ہوں
جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ساری آوازیں سنتا ہوں جنہیں تم نہیں سن سکتے۔ فرشتوں
کے بوجھ کی وجہ سے میں آسمان کے چرچر کرنے کی آواز بھی سنتا ہوں۔ کیونکہ آسمان میں

را انگل بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔

(رواہ الترمذی ابن ماجہ)

اس حدیث میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہماری ت ادراک اور نبی کی قوت ادراک میں کتنا عظیم فرق ہے۔

امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث

اسی سلسلہ کے ساتھ امام سیوطی کی یہ روایت بھی نظر میں رکھئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی اور غیبی قوت ادراک کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ برستے ہوئے بارش کے ساتھ اتنے کثیر فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں کہ ان کی تعداد جن وانس کے سارے افراد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بارش کا ہر قطرہ شمار کر لیتے ہیں اور انھیں اس کی بھی خبر ہوتی ہے کہ کون قطرہ کہاں گرے گا اور اس سے جو سبزہ اُگے گا اسے کون کھائے گا۔

(الحبائک فی انبیا و الملائک)

حضور کی غیبی قوت ادراک کی جو تھی دلیل

ابن اثیر نے اپنی کتاب اُسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ میں حضرت انس نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک انصاری نوجوان سامنے آیا حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس حال میں صبح کی۔ عرض کیا اس حال میں کہ میں سچا ایمان رکھتا ہوں۔ فرمایا بات سمجھ کر کہو کہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ؟ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔

عرض کیا میں نے اپنے آپ کو لڈاؤ دنیوی سے علیحدہ کر لیا ہے۔ راتیں بیداری میں گزارتا ہوں اور دن بھوک اور پیاس کی حالت میں۔ اب میری قوت مشاہدہ کی کیفیت یہ ہے کہ گویا میں عرش رب العالمین کو دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہل جنت آپس میں ملاقاتیں کر رہے ہیں اور اہل نار و دوزخ میں جینج رہے ہیں۔ فرمایا اسی حالت پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اپنی طرف اس کے

عنایت کریمانہ کو متوجہ دیکھا تو فوراً درخواست پیش کی کہ میرے لئے شہادت کی دعا فرما حضور نے اس کی درخواست قبول کی اور اس کے حق میں شہادت کی دعا فرمائی۔

ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک معرکہ پیش آیا جیسے ہی جہاد کے لئے مناد ہوئی سب سے پہلے وہ نوجوان اپنے گھر سے نکلا۔ میدان کارزار میں پہنچا تو شہادت جذبہ شوق میں سب سے پہلے مجاہدین کی صف سے نکل کر وہی دشمن کے مقابلے پر آیا اور دیر تک اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد گھائل ہو کر زمین پر گرا اور شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوا۔

جب اس کی شہادت کی خبر ماں تک پہنچی تو وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو نہ میں آنسو بہاؤں گی اور نہ اس کی جدائی کا مجھے کوئی غم ہوگا۔ اور اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی۔ جو اب عنایت فرمایا اے ام حارثہ! جنت ایک نہیں بلکہ بہت سی ہیں، اور تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے یہ سنتے ہی ان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور واہ حارثہ واہ حارثہ! کہتی ہوئی وہ واپس لوٹ گئیں۔

اس حدیث سے جہاں حضور کی غیبی قوت مشاہدہ پر روشنی پڑتی ہے کہ مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور نے حارثہ کو فردوسِ اعلیٰ میں دیکھ لیا وہیں یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام بھی حضور کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنت و دوزخ سب حضور پر روشن ہے اور مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور بتا سکتے ہیں کہ کون جنت میں ہے اور کون جہنم میں۔ کیونکہ حضور کی غیبی قوت ادراک کے بارے میں اگر ان کا مثبت عقیدہ نہ ہوتا تو وہ حضور سے اس طرح کا سوال ہی نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال سن کر حضور نے بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان کا سوال اپنے محل میں صحیح تھا۔

اس حدیث سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور کے فیضانِ صحت اور انعامِ نجات سے صحابہ کرام کی قوت ادراک بھی عالمِ غیب کے مشاہدہ کی استعداد سے آراستہ ہو گئی تھی۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی پانچویں دلیل

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر افطار کے پے درپے روزے رکھنا شروع کئے جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا تو وہ بھی حضور کی پیروی میں اسی طرح کاروزہ رکھنے لگے جب ان کے ضعف و نقاہت سے حضور کو ان کے روزے کا علم ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا لَا تَوَاصِلُوا اس طرح کاروزہ مت رکھو۔ اس کے بعد حضور نے ان کے اس جذبہ شوق پر تسکین کا مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنَّ اُبَيْتٌ وَّطَيْعِي سَاطِيٌّ وَ يَسْقِيْنِي "میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" اس کے بعد فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے پینے کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ کیوں فرماتے اور تعجب نہیں کہ وَقْرَةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ ص ۹۲

آیت کریمہ کے نکات

حضرت فاضل مصنف نے آیت کریمہ **إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ** سے متعلق ایسے ایسے نادر و گرانمایہ نکات سپردِ قلم فرمائے ہیں کہ صفحہ قرطاس پیراہن گل کی طرح ہلکنے لگائے پڑھنے اور مردھننے! ارشاد فرماتے ہیں۔

پہلا نکتہ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ”بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنا فرشتہ کہا ہے حالانکہ دیکھا جائے تو سارے فرشتے اللہ ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا ذکر کیلئے وہاں **صِرَاطٍ فَسَّجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ**۔ فرمایا ہے۔ یعنی سارے فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا۔ وہاں فرشتوں کی اضافت اپنی طرف نہیں فرمائی ہے۔

اس اندازِ بیان سے دربارِ خداوندی میں جیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقامِ تقرب کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنے اپنے ہیں کہ جو فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں وہ بھی اپنے ہو گئے۔ یہ شانِ صرفِ محبوب ہی کی ہو سکتی ہے کہ جسے ان کی طرف کسی طرح کی نسبت حاصل ہو جائے وہ بھی محبوب ہو جائے۔

اس نکتے کے بعد حضرت مصنف کا یہ غفلت شکن تازیانہ ملاحظہ فرمائیں:

اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کہ کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا صلوات بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متکمن ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔

اس کے بعد غیرت حق میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا یہ تیور ملاحظہ فرمائیے !

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو ضایع ارض و سما کہتے تھے مگر بت برستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔

(ص ۱۱)

اور حضرت مصنف کی تہنات کا یہ حصہ بھی دیدہ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے۔
 فرماتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی
 امیدیں وابستہ ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی
 کچھ پروا نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت
 میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضور کی
 رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں شرعی قباحت لازم آجائے گی۔
 نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ
 (منا)

دوسرا نکتہ

آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتُهٗ يَصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ یعنی بیشک اللہ اور اس
 کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کلام کا آغاز ان سے ہوا ہے۔ عربی
 زبان میں لفظ ان ازالہ شک کے لئے آتا ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ
 تھے جن کے شک اور تردد کو اس کلام قدیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے اور ان کے ذریعہ ان کے
 تردد اور شک کا ازالہ کیا گیا ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس زمانے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ اس وقت
 تین ہی گروہ تھے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا تھا، دوسرا گروہ کھلے کفار و مشرکین کا تھا اور تیسرا گروہ
 منافقین کا تھا جو اندر سے کافر و منکر اور اوپر سے مدعی اسلام تھے۔ قرآن اور صاحب قرآن
 پر صحابہ کا ایمان اتنا پختہ اور مستحکم تھا کہ وہاں شک اور تردد کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اب
 وہ گئے کھلے کفار تو وہ سرے سے اس آیت کریمہ میں مخاطب ہی نہیں ہیں اس لئے ان کے
 انکار و شک کے ازالہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب لے دے کے منافقین ہی کا طبقہ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ قرآن پر ایمان لانے
 کے بھی مدعی تھے اور دوسری طرف اپنے دلوں میں کفر و انکار کا عقیدہ بھی چھپا کر رکھتے تھے۔

پہا ہے اس دور کے منافقین ہوں یا بعد میں آنے والے اس قماش کے لوگ ہوں، اس
بت کر یہ میں اُنہی لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب سب کا حاکم و مالک اور اس کے تمام
فوتے دائرہ درود میں مشغول ہیں تو سلطنت الہیہ کی وفادار رعایا کا فرض کیا ہوتا چاہیے۔ اور
اس کے محبوب کی عظمت کس قدر ان کے دلوں میں راسخ ہونی چاہیے اور کس درجہ درود
ام کا انھیں اہتمام کرنا چاہیے۔ پھر ملار اعلیٰ کی پیروی کا استحقاق تو اپنی جگہ پر ہے لیکن
احت کے ساتھ دربار سلطانی سے حکم بھی صادر ہو گیا تو اب لیت و لعل کی کیا گنجائش رہ گئی۔
اتنی تاکید در تاکید کے بعد بھی اگر نبی کی عظمت کے آگے کسی کا دل نہ جھکے تو سمجھ
جئے کہ اس کے انجام بد بد بختی کی ہر لگ گئی۔

تیسرا نکتہ

آیت کریمہ میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** (اے ایمان والو) کے اولاً بالذات مخاطب
نین صحابہ ہیں اور وہی لوگ اس خطاب کی لذت سے بھی واقف ہیں اور درود شریف
لفظت کو بھی جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے اہل اسلام ان
طفیلی ہیں۔ یہیں سے یہ شناخت بھی قائم ہو گئی کہ جن کے دلوں میں درود سلام کی
مت نہیں ہے وہ اس خطاب کے اہل ہی نہیں ہیں۔

ہم تو بہر حال انھیں اہل نہیں سمجھتے لیکن مقام عبرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کا مخاطب نہیں گردانتے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے آپ کو اس کا
طب سمجھتے تو درود سلام کا ہر گز انکار نہیں کرتے چاہے بیٹھ کر پیش کرنے کا موقع ہو یا
ترے ہو کر، ایسے لوگ اگر اس آیت کریمہ کی تصدیق بھی کریں تو انھیں کوئی فائدہ نہیں
ہے۔ مخالف و انکار کے ساتھ تصدیق قلبی ہرگز مفید نہیں ہے۔ جب خدا نے درود سلام
سی ہیئت خاص کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے
ان کے لئے بیٹھنے کی قید لگائیں اور کھڑے ہو کر پڑھنے سے انکار کریں۔ جبکہ ہمارا مشرب
ہے کہ ہم دونوں بیٹوں میں سے کسی ہیئت کو نہ فرض کہتے ہیں، نہ واجب نہ حرام بلکہ جس درجہ
باقی میں حکم الہی ہے اسی درجہ میں اسے رکھتے ہیں۔ دراصل بحث کا دروازہ اس وقت
کھلتا ہے جب کوئی کھڑے ہو کر درود سلام پڑھنے کو حرام کہنے لگتا ہے۔

چوتھا نکتہ

بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے سامنے عرض کیا لَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ نَفْسِي۔ حضور! بلاشبہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سو اے اپنی جان کے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے عرض کیا وَاللَّهِ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي۔ قسم ہے اس ذات کبریٰ جس نے آپ پر کتاب اتاری اب آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔ سبحان اللہ ایک ہی بول میں دل کی گرہ کھل گئی۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ پھر جسے یہ سعادت نصیب ہے اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ درود و سلام میں کس درجہ اہتمام کرنا چاہیے۔

کیونکہ درود و سلام بھی ایک دعا ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خداوند قدوس سے علوئے شان اور رفعت مکان کی دعا کی جاتی ہے۔ فطرت انسانی کا دستور یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی جان کے لئے دعا کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے لئے دعا کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہیں تو اقتضائے فطرت انسانی یہ ہے کہ شریف کو اپنی جان کے لئے دعا کی جائے اور دعا پر بھی مقدم رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو یا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے یا وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ دونوں سے کوئی بات بھی ہو ہلاکت اس کا مقدر ہے۔

درود کھینچنے کے مواقع

حضرت قاضل مصنف نے صراحت فرمائی ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات معین فرمائے ہیں ویسے ہی درود شریف کے اوقات بھی معین فرمائے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوقات نماز کا تعین تو اترے ثابت ہے اور درود شریف کے اوقات کا تعین اخبار آحاد سے ہے۔ گو اس طرح کی تمام حدیثیں الگ الگ خبر واحد ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کا جائزہ لیا جائے تو بتواتر معنوی یہ بات ضرور ثابت ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پسند ہے۔ علامہ سخاوی نے بھی اپنی موقر کتاب القوال تبیح میں درود و سلام کی کثرت کو اہل سنت ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔ اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں درود شریف کے اوقات کا تعین فرمایا گیا ہے۔

پہلی حدیث

محدث طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی اس شخص کا وضو نہ ہوگا جو وضو کرتے وقت نبی پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں وضو کی نفی سے وضوئے کامل کی نفی مراد ہے۔

دوسری حدیث

حضرت امام فاکہانی نے اپنی گر انقدر تصنیف الفجر المنیر میں حضرت سہل ابن سعد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا صَلَاةَ لَهِنَّ وَلَا يُصَلِّيْ عَلَي النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جو حضور پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں بھی نماز کی نفی سے مراد نماز کامل کی نفی مراد ہے۔

تیسری حدیث

بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ ساری کتب صحاح میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا سَمِعْتُمْ الْهُؤُذَانَ فَقُولُوا
مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ
فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

جب تم اذان سنو تو جواب میں مؤذن کے کلمات کو دہراؤ۔ پھر جب اذان ختم ہو جائے تو مجھ پر درود پڑھو کہ جو ایک بار درود شریف پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔

چوتھی حدیث

حضرت علامہ زرقانی نے حضرت ابوسعید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مجلس میں لوگ بیٹھیں اور اس میں درود شریف نہ پڑھیں تو وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی پھٹتے ہیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں كَانَتْ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ۔ جنت میں داخلے کے بعد پھٹتا اور اس لئے ہوگا کہ وہ وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ درود شریف پڑھنے پر کیسے کیسے اجر و ثواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ جس میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں لیکن اپنے نبی پر درود و سلام نہ بھیجیں تو ایسی مجلس ضرور ان کے واسطے نقصان کا باعث ہوگی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ كَانَتْ ذَالِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تَرَةً۔

دلوں میں کچھ بھی خوفِ آخرت ہو تو ان احادیث کی روشنی میں اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو مجالس ذکر میں درود و سلام کا اتنی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ جیسے ہی لوگ درود و سلام پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے وہ وحشی جانوروں کی طرح مجالس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف میلاد کی محافل ہی میں نہیں بلکہ ہر مجلس میں نبی پر درود و سلام پڑھنا دارین کی سعادت ہے۔

پانچویں حدیث

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بِمَا غَمَّ الْفُجْرَ جَلِيًّا ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُفَسِّلْ عَلَيَّ۔ اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث

امام سیوطی نے جامع صغیر میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔ اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے۔ ذَكَرَ اللهُ مَنْ ذَكَرَنِي بِخَيْرٍ اللهُ أَسَى يَادُكَرُ حَسْبُ نِي خَيْرٍ كَسَا تَحْتَهُ مَجْهِي يَادُكِيَا۔

ساتویں حدیث

المواہب اللدنیہ میں حضرت ابو موسیٰ المدینی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا :
اِذَا تَسَبَّحْتُمْ شَيْئًا فَصَلُّوْا عَلَيَّ تَدْكُرُوْهُ اِنْ شَاءَ اللهُ۔
جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو انشاء اللہ وہ چیز تمہیں درود شریف کی برکت سے یاد آ جائے گی۔

آنٹھویں حدیث

زاوالمعاد میں حضرت اوس ابن اوس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انھوں نے انتقال کیا اور اسی دن صور بھونکا جائے گا اور اسی دن لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی۔ اس لئے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو فَإِنَّ صَلَاتِكُمْ مَعِيَ وَصَلَةُ عَلَيَّ كَيُونُكُمْ تَهْمَارُ ادرود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ہمارا درود آپ کے سامنے کیونکر پیش کیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے اس لئے ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے روحانی غذا دی جاتی ہے۔

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اتنا اضافہ کیا ہے 'مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لئے کہ اَوَّلَ مَنْ تَسْأَلُونَ فِي الْقُبْرِ عَنِّي قَبْرِي مِنْ سَبِّ سَبَّيْئِلِي مِيرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔

چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخاوی کے قلم سے

درود شریف پڑھنے کے ان مواقع کے علاوہ حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں انہی مواقع اور گنائے ہیں اور ہر موقعہ کو احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔ ان میں سے خاص خاص مقامات کی ذیل میں نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) تہجد کے لئے اٹھنے وقت (۲) کسی مسجد میں داخل ہونے کے وقت (۳) جب میت کو قبر میں اتارا جائے (۴) جب کعبہ شریف پر نظر پڑے (۵) حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت (۶) عرفات میں دوپہر کے بعد (۷) جب مدینہ کا مقدس شہر نظر آنے لگے۔

(۸) جب حضور کے تبرکات کی زیارت کا موقعہ ہو (۹) جب سونے کا ارادہ کریں (۱۰) سفر کے لئے گھر سے نکلتے وقت (۱۱) سواری پر سوار ہوتے وقت (۱۲) جب اپنے گھر میں داخل ہو۔

(۱۳) جب غم سختی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو (۱۴) دعا کے شروع اور اخیر میں (۱۵) جب پاؤں سن ہو جائے (۱۶) جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو (۱۷) جب کوئی حاجت پیش آجائے۔

(۱۸) گناہ سے توبہ کرتے وقت (۱۹) جب کسی پر تہمت لگا دی اور وہ اس سے پاک ہو۔
 (۲۰) ختم قرآن کے بعد (۲۱) جب قلم سے حضور کا نام مبارک لکھیں (۲۲) جب دینی کتابوں
 کے سبق کا آغاز ہو۔

حاصلِ بحث

ان ساری حدیثوں سے یہ بات تو اتر معنوی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ درود شریف
 کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند ہے اور حضور اپنی امت کو دنیا و
 آخرت میں درود شریف کی لاجھور و دبرکتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں اور مالک کائنات
 کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ ملا اعلیٰ کی طرح زمین کی سلطنت میں بھی درود و سلام کے سلوک
 نغموں کی دھوم ہر وقت مچتی رہے۔

فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز نصیحت

اس بحث کے خاتمے پر حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک عبرت آموز نصیحت
 انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

صرف ایک یا دو بار درود شریف ادا کے فرض کے خیال سے پڑھ لینا
 اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے سنک اہل سنت و
 جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ
 خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک (ص ۱۳۰)

سلام کی بحث

اس عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے عشق و عقیدت اور علم و فضل کے ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ ان کی خوشبو سے کاغذ کا پیراہن تک معطر ہو گیا ہے۔ ان ہکتے ہوئے پھولوں کی روشنی سے گزرتے ہوئے اہل ایمان کے کیف و سرور کا کیا عالم ہوگا اسے ہم اپنے قارئین کرام کے باطنی احوال کے حوالہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

سب سے پہلے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلام کے موضوع پر ان علمی نکات کا مطالعہ کیجئے جن سے بد بختیوں کی ساری گرہیں کھل جائیں گی۔

پہلا نکتہ

کتاب الشفار میں حضرت قاضی حیاض کی صراحت کے مطابق السلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ تم سلامت رہو یا ہم تمہارے فرماں بردار اور راضی برضا ہیں۔ اس اجمال کے بعد اب تفصیل کی طرف آئیے۔

جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی لئے مخاطب پر بھی واجب ہے کہ وہ ان ہی الفاظ میں جواب دے کر اپنی طرف سے بھی اپنے مخاطب کو سلامتی کا یقین دلائے۔

چنانچہ عرب کے بدویوں تک میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں یا سلام کا جواب دیتے ہیں تو اب اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب سلام کا مقصود ہوتا ہے تو نہ سلام کرتے ہیں اور نہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس

سے معلوم ہوا کہ ”سلام“ دل کے اخلاص و محبت کا ترجمان ہے۔
 اس تہید کی روشنی میں اب بحث کا یہ رخ سمجھئے کہ جو امتی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
 کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں یقین دلاتا ہے کہ نبی کی عزت و حرمت میری
 طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے نبی کی عظمت کو
 ٹھیس پہنچے۔ اور جو سلام سے انکار کرتا ہے یا سلام کرنے میں پس و پیش کرتا ہے وہ
 دوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے نبی کی طرف سے اس کے دل کا ارادہ اچھا
 نہیں ہے۔

آپ اخلاص کے ساتھ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو یہ نکتہ اور واضح
 ہو جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ پس اے
 ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے
 کا حق ہے۔

غور فرمائیے اس آیت پاک میں اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے درود کی
 نسبت ہے لیکن مومنین سے درود کا بھی مطالبہ ہے اور سلام کا بھی۔ آپ گہرائی میں
 اتریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جس سے خطرہ ہوتا ہے وہیں تحفظ کا اہتمام کیا
 جاتا ہے اور جہاں سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہاں کسی طرح کی پیش بندی کی ضرورت
 ہی نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے کہ نبی کی عزت و حرمت کو نہ اللہ کی طرف سے کوئی خطرہ ہے اور نہ
 فرشتوں کی طرف سے۔ خطرہ جو کچھ بھی ہے وہ انسانوں کی طرف سے ہے۔ اس لئے درود
 کے ساتھ ساتھ ان سے سلام کا مطالبہ بھی ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی کو سلام کر کے تم اس
 بات کا اعلان کرو کہ تمہاری طرف سے نبی کی عزت و حرمت کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔

اب کوئی امتی نبی کا دل سے جاں نثار ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی کو سلام کرنے
 سے گریز نہیں کرے گا بلکہ سلام کرنے کے لئے اگر جنگ کی نوبت آگئی تو اس مرحلہ سے بھی؟

گزر جائے گا لیکن نبی کی طرف جن کے دل کے ارادے اچھے نہیں ہیں وہ یا تو سلام کرنے سے صاف انکار کر دیں گے یا حالات کا دباؤ بڑا تو گریز کا راستہ اختیار کریں گے۔ سلام تو التحیات میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے اس لئے وہاں دل کی بیماریوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھا یا نہیں؟ لیکن باواز بند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ باواز بند سلام کی ترویج میں ہی مصلحت ہمارے ائمہ و اکابر کے پیش نظر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا نکتہ

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے۔ یکایک حضور کی پیشانی سجدہ ریز ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور انتقال تو نہیں فرمائیں گے۔ کافی دیر کے بعد جب حضور نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس تشریف لائے تھے۔ انھوں نے خداوند ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْكَ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ (زسواہ احمد) کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں سلام کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔

فاضل مصنف اس حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت و مسرت کی بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہے مالک بے نیاز۔ اس سے محبوب و محبب کے درمیان اس غایت قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ محبوب و محبب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں متصور ہے جہاں اپنا نسبت نقطہ انتہا پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی کی

جلالتِ شان پر نثار ہو جانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں امت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ "خدا سلام کا جواب دیتا ہے" سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضور سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اب نبی کو سلام کرنے والے کی سعادت و فیروز بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوند ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو "یا نبی سلام علیک" سے انکار کر کے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تفسیر انکحہ

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بخاری نے یعلیٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور نے قیام فرمایا۔ حضور خواب استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا پھاڑتا، جھومتا جھامتا آیا اور حضور کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔

جب حضور بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: هِيَ شَجَرَةٌ اِسْتَاذَنْتْ رَسَبَاتِي اَنْ تَسْلِمَ عَلَيَّ فَاَذِنَ لَهَا۔ "یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے کی اجازت طلب کی اور اسے اجازت مل گئی۔" مقام غور ہے کہ درخت جو نہ ذوی العقول ہے اور نہ احکام شرع کا مکلف ہے وہ نبی پاک کے حضور میں سلام پیش کرنے کی اجازت خدا سے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ان کے قریب جا کر۔ اور غالباً یہ اجازت ہی کا ثمرہ ہے کہ اسے زمین شق کرتے ہوئے حاضر بارگاہ ہونے کی قدرت بھی عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں درخت کا چل کر آنا پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں نہیں تھا کہ اُسے نبی کا معجزہ قرار دیا جائے۔ بلکہ خود اس درخت کی آرزو کے شوق کی

تکمیل کے لئے اسے خدا کی طرف سے یہ قدرت عطا ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے اُن سبہ بختوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو حضور یا ک کو سلام کرنے میں آنا کانی کرتے ہیں اور سلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کا بکھیرا کھڑکے ہیں کہ ایک بے شعور درخت اس سعادت کے حصول کے لئے کس درجہ حساس ہے کہ وہ نبی کو سلام کرنے کے لئے خدا سے توفیق طلب کرتا ہے اور یہ علم و شعور والے بندے ہیں جو حکم صریح کے باوجود سلام سے انکار کرتے ہیں۔

سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار

حضرت مصنف کی علمی جلالت کو سلام کیجئے کہ انہوں نے سلام کی اہمیت پر دلائل براہین کی ایسی فصل اگائی ہے کہ دید و شوق وا کیجئے اور ان کی بہاروں کا لطف اٹھائیے۔

پہلی دلیل

فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

یہاں یہ امر پیش نظر ہے کہ سلام کی گس قدر وقعت ہے کہ عین نماز میں اسے ضروری ٹھہرایا گیا حالانکہ نماز عبادت محض ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبود حقیقی کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر کہا جاوے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" اس سے نبی کو خطاب مقصود نہیں بلکہ شب معراج کی حکایت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو اس صورت میں التحیات کا کچھ مطلب ہی نہیں ہوا صرف الفاظ ہی رہ گئے۔

اسی طرح نہ التحیات سے تمام التحیات اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا اعتراف ہوا اور نہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اللهُ سے عقیدہ توحید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کی تعلیم

فرمائی تو یہ نہ کہا کہ شبِ معراج میں اس طرح کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور
حکایت اس کو پڑھنا چاہیے۔

۱۲۶

اس دعوے پر کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب مقصود ہے، شبِ
معراج کے واقعہ کی نقل مقصود نہیں ہے۔ حضرت مصنف کی یہ پہلی دلیل ہوئی۔ آگے چل کر
پھر اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں لیکن جن احادیث
میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
منقول ہے ان احادیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ،
امام احمد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے روایت کی ہے۔
جیسا کہ کثر العمال میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

لیکن ان تمام روایات میں کسی روایت میں بھی اس بات کا ذکر نہیں
ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جاوے۔ پھر جب حکایت ہونا اس کا
ثابت نہ ہوا تو اس کے معنی مقصود بالذات ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا
کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشا
کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ عابد سندھی نے اپنی کتاب طوابع الانوار شرح
در مختار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ص ۱۲۷)

دوسری دلیل

اس دعوے پر کہ التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ سے شبِ معراج
کے واقعہ کی حکایت مقصود نہیں ہے بلکہ نمازی بالقصد حضور کو بحالت نماز اپنی طرف سے
خطاب کرتا ہے اور انھیں اپنا سلام پیش کرتا ہے، حضرت مصنف کی یہ دوسری دلیل ہے۔
ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شروع میں صحابہ کرام السَّلَامُ عَلَيَّ فَلَانِ وَفَلَانِ

کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ کہا کرو۔ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام جملہ انبیاء و مرسلین، سارے ملائکہ اور تمام عباد صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سلام بطور حکایت واقعہ نہیں ہے۔

مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ عَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ میں اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں مگر چونکہ یہ سلام حضور کو ضمنی ہوا اور اس طرح کے سلام میں حضور کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اس لئے حضور کے مقام کی عظمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ نمازی حضور کی طرف متوجہ ہو کر خاص خطاب کے ساتھ حضور کو سلام کرے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جیسے السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ میں سلام کا صدور بالقصد ہے اسی طرح السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ میں بھی بالقصد سلام کے ساتھ حضور مخاطب ہیں۔ اور تکمیل تحیۃ کے طور پر حضور کے سلام میں وَسَاخُمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ کا بھی اضافہ ہے۔

تیسری دلیل

حضرت فاضل مصنف اپنے اس دعوے پر کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ میں نمازی کی طرف سے حضور کو بالقصد خطاب کر کے سلام پیش کرنا مقصود ہے، واقعہ معراج کی حکایت مقصود نہیں ہے، تیسری دلیل پیش کرتے ہیں۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کی روایت بتواتر لفظی حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اگر اس سے خطاب اور ندا کے معنی مراد نہ لئے جائیں تو حدیث متواتر کے مفہوم میں ایک طرح کا نسخ لازم آجائے گا۔ اور اصول فقہ کے مطابق ضروری ہے کہ دلیل نسخ بھی ویسے ہی قطعی ہو۔ اور شب معراج کا مخاطب اگر احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہو جائے جب بھی حدیث متواتر کا نسخ اس سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس مفہوم کی ساری حدیثیں احادیث میں حدیث متواتر جیسی قطعیت نہیں ہے۔ اتنی تفصیل کے بعد حضرت فاضل مصنف ایک علی نکتہ پیدا کر کے اپنے دعوے

کی صحت کو اس نقطہ انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ اب سوائے تسلیم کے منکرین کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

التحیات میں خطاب و ندا کے جو معنی تو اتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کے نسخ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے۔ اور اذْ لَیْسُنَّ فَلَیْسُنَّ یعنی جب بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت نہیں ہے تو السلام علیک ایہا النبی میں ندا اور خطاب کے معنی کا نسخ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ص ۱۲۸

چوتھی دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی طرف سے یہ چوتھی دلیل ہے۔ ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کے روایت کے مطابق جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نَازِلٌ ہُوْنِیْ تَوْصِیَاہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے۔ صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمایئے۔ حضور نے فرمایا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْ مُحَمَّدٍ پڑھا کر و حکم صلوٰۃ کی تعمیل ہو جائے گی۔ امام بیہقی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے سوال میں جس سلام کے جاننے کا ذکر کیا تھا وہ تشہد والا سلام ہے۔ اور انہوں نے اسی سلام کو وَ صَلَّیْہُمْوَا کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ سمجھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد والا سلام خطاب و انشا کے طور پر تھا حکایت واقعہ کے طور پر نہیں تھا۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کسی حکم کی تعمیل کے لئے انشا کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں۔

پانچویں دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی یہ پانچویں دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق صحابہ کرام حضور کی حیات ظاہری میں تشہد کے اندر السلام علیک ایہا النبی خطاب اور ندا کے ساتھ پڑھا کرتے لیکن حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا تو انہوں نے اسے بدل دیا اور السلام علی النبی کہنے لگے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے بھی بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

ان الصَّحَابَةَ كَانُوا
يَقُولُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيُّ السَّلَامُ
عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا
مَاتَ قَالُوا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ
(و اسنادہ صحیح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری
میں صحابہ کرام التحیات میں السلام
علیک ایہا النبی پڑھا کرتے تھے
لیکن جب حضور نے پردہ کر لیا تو
انہوں نے اسے بدل دیا اور
السلام علی النبی کہنے لگے۔

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد بطور انشا تھا بطور حکایت نہیں تھا۔ کیونکہ اگر بطور حکایت ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد خطاب اور ندا والے الفاظ کو بدلنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر کسی کو بھی یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جدیلی کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد انہیں خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے خطاب اور ندا والا صیغہ بدل دیا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ الفاظ بدلنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ صحابہ کرام حضور کے وصال شریف کے بعد پھر خطاب و ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غایت عشق اور کمال قرب کی وجہ سے حضور کی مفارقت کا صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا عام صحابہ کے علاوہ خواص بھی بیتا بیوں کے اضطراب کی اتنی دردناک کیفیت

سے دوچار تھے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ بعض صحابہ تو اتنے خود رفتہ ہو گئے تھے کہ اس خبر پر وہ بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

یہاں تک کہ کثر اعمال کی روایت کے مطابق حضور کے وصال شریف کے بعد جب سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان دی تو سارے مدینہ میں کہرام مچا ہو گیا اور وہ خود فرط غم سے غش کھا کر گر پڑے۔ کیونکہ جب وہ اذان دیتے وقت اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کہتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے حضور کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اذان دینے سے انکار کر دیا۔ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اصرار کیا تو انہوں نے معذرت کر لی کیونکہ ان کے اندر اس صدمہ کی تاب ضبط نہیں تھی کہ وہ حضور کی طرف اشارہ کریں اور حضور پیش نظر نہ ہوں۔

اور مواہب اللدینہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی رسول حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، جب انہیں خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو انہوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اِذْهَبْ بَصْرِيْ لَوْ اَسْرَى بَعْدَ حَبِيْبِيْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا۔ "یا اللہ! میری آنکھ کی بینائی زائل کر دے کہ میں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا چہرہ نہ دیکھوں۔"

راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انہوں نے اپنی دعا ختم کی فَكَفَّتْ بَصْرُهُ اِی عَمِيْ فورا ان کی بینائی زائل ہو گئی اور وہ مکمل طور پر نابینا ہو گئے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی تو آدمی ہیں، حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کا صدمہ جانوروں پر بھی پڑا۔ چنانچہ حضور پاک کی سواری کا جانور جب اس صدمے کی تاب نہ لاسکا تو ایک کنویں میں گر کر اپنی جان دیدی۔ مقام غور ہے کہ جب جانوروں تک کا یہ حال ہو تو ان جانبازان خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہوگا جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم بلکہ اپنی جہان سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

اسی درد انگیز اور المناک کیفیت کا رد عمل تھا کہ صحابہ کرام کے اندر حضور کو خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کی تاب نہیں تھی کیونکہ خطاب اور ندا حضور کی کوچا ہوتا ہے اور اس سے جدائی کا غم تازہ ہوتا تھا اس لئے صحابہ کرام کے سلام میں خطاب اور ندا کے

لفاظ بدل دیئے۔

اس کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل کمال رنج و غم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب اور ندا کو ترک کر دیا تھا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہو گئی تو بحسب تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسی طور پر بعینہ خطاب و ندا پڑھنا شروع کیا جیسا کہ یہ عمل آج تک جاری ہے۔ ص ۱۵۳

اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت فاضل مصنف نے تین وجہیں بیان کی ہیں

پہلی وجہ

بروایت متعددہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ ابن زبیر برسر منبر علی رؤس الاشہاد اپنی اپنی خلافتوں میں التحیات کی تعلیم بلفظ السلام علیک ایہا النبی دیا کرتے تھے۔ اور یہ تعلیم کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پر پوشیدہ رہ جاتی۔ پھر اگر کسی کو خطاب اور ندا میں کلام ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔ کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی واقعہ کو خلاف واقعہ سن کر خاموش رہ جائیں۔ خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے۔

ص ۱۵۴

دوسری وجہ

خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین کو اسی

التحيات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تعلیم ان کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ جیسا کہ خود فتح القدير میں حضرت ابن ہمام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

ص ۱۵۷

تیسری وجہ

اگر اس تبدیلی میں لحاظ خطاب اور ندا کا تھا تو یہ بسبب قبل انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا اس لئے کہ صحابہ اکثر اپنے اسفار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے۔ پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حالت غیبت میں التحیات بصیغہ خطاب و ندا نہ پڑھتے ہوں حالانکہ یہ بات کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔

بلکہ خود حدیث میں یہ تصریح گزری کہ بعد وفات شریف خطاب و ندا کا صیغہ بدلا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیلی کا سبب ندا و خطاب نہ تھا بلکہ وفات شریف کا صدمہ تھا۔

پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اول تو جملہ صحابہ نے صیغہ بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب و ندا جائز نہیں۔ اور پھر چند روز کے بعد بدلنے والے بھی آنحضرت کی تعلیم کے مطابق التحیات بصیغہ خطاب و ندا پڑھتے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔

ص ۱۵۷

ایک لطیف طنز

حضرت فاضل معنی نے ان لوگوں پر جو ندائے یارسول اللہ کو ناجائز کہتے ہیں

ایک لطیف طنز کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ انہی کے الفاظ میں پڑھے

ندائے غائب کے مسئلہ میں جب اَسْلَامُ عَلَیْكَ اَیْہَا النَّبِیُّ
کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہیں کہ
یہاں ند مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے مخاطبہ شب معراج کی۔

پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مخاطبہ معراج والی حدیث کو
آپ مانتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مان لی جائے تو اس سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ
سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کی کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین
کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی التحیات کو مخاطبہ معراج کی حکایت
قرار دیں تو چاہیے کہ محکی عنہ کو بھی اپنے قواعد کے مطابق ثابت کریں یا مان
لیں اور محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کا کیا معنی کہ حکایت
میں تو وہ زور و شور اور محکی عنہ سے بالکل انکار۔ کیا اس کو الف لیلہ کی حکایت
سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں۔ ص ۱۶۵

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث کے طور پر فاضل مصنف نے اپنے جو احساسات پیش کئے ہیں وہ پڑھنے
کے قابل ہیں۔ سطر سطر سے محبت رسول کی خوشبو اڑ رہی ہے اور لفظ لفظ عشق و ایمان
کے آب حیات میں بھیگا ہوا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے۔ اور شک نہ کرے کہ اس میں
شُرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ جب شرع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو

اب جتنے خیالات اس کے غلط ہیں وہ سب یہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات محسوس کرنی چاہیے کہ جب اس سلام کا مرتبہ ایسا ہو کہ عبادت محض یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۱۶۵

اس کے بعد یہ عبارت بھی جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر پڑھئے۔ سلام کے آداب سکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

الغرض جب کسی خاص وقت میں سلام عرض کرے تو چاہیے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور دستہ بستہ ہو کر عرض کرے السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَنَا رَسُولَ اللَّهِ، السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَنَا سَيِّدَ الْأَوْلِيَّيْنَ وَالْأَخِيَّيْنَ۔ اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے جن سے حضرت کی عظمت معلوم ہو۔ ص ۶۶

ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب

کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کے سلسلے میں منکرین کے اعتراضات ڈھکے چھپے نہیں ہیں کہ انھیں کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ ایک ہی بات بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن فاضل منصف نے ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان میں فکر و نظر اور علم و تحقیق کی جو ندرت ہے، انھیں پڑھئے اور سردھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام عبادت کے مشابہہ ہے اس لئے وہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو مشابہہ بالعبادۃ میں کیونکر جائز نہیں ہوگا۔
(ص ۱۶۶)

قیامِ تعظیمی کی بحث

حضرت فاضل مصنف نے قیامِ تعظیمی کے مسئلہ پر نہایت طویل بحث فرمائی ہے موصوف نے ان ساری حدیثوں کا بھی جائزہ لیا ہے جن میں قیام کی ممانعت آئی ہے اور شروح و احادیث کی روشنی میں ان کی صحیح مراد متعین کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان حدیثوں میں مطلق قیام کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس قیامِ ظاہر کی ممانعت ہے جو عجمی بادشاہوں کے دربار میں رائج تھا کہ بادشاہ بیٹھا رہتا اور لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔

یا پھر اس قیام کی ممانعت ہے جو کسی کی تعظیم کے لئے اس کی خواہش پر کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت موصوف نے قیامِ تعظیمی کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیامِ تعظیمی کی پہلی دلیل

بخاری شریف کی مشہور حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے قبیلہ بنو قریظہ نے جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حکم مان لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا ابھی وہ اپنی سواری ہی پر تھے کہ حضور نے انصار کو حکم دیا کہ قُومُوا اِنِّیْ سَیِّدُکُمْ اِنِّیْ سَیِّدُکُمْ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت سعد زخمی تھے اس لئے حضور کا منشا یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر انہیں سواری سے اتار لیں اس

لئے اس قیام سے قیام تعظیمی نہیں ثابت ہوتا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے کا حکم سردار کی نسبت کے ساتھ ہے اس لئے یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کھڑے ہونے کا حکم اظہار تعظیم کے لئے تھا اور اسی کا نام قیام تعظیمی ہے۔

قیام تعظیمی کی دوسری دلیل

اس حدیث کو حضرت ابو داؤد نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے رضاعی باپ یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر تشریف لائے تو حضور نے انھیں بٹھانے کے لئے اپنی چادر تشریف کا ایک کونہ بچھا دیا۔ پھر حضور کی ماں تشریف لائیں تو ان کے لئے دوسرا کونہ بچھایا۔ پھر اخیر میں رضائی بھائی تشریف لائے تو حضور کھڑے ہو گئے اور انھیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے خود حضور کا قیام ثابت ہے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرین قیام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رضاعی بھائی کے لئے حضور کا قیام اکرام کے لئے نہیں تھا بلکہ جگہ بنانے کے لئے تھا۔ کیونکہ حضور اگر اکرام کے لئے قیام فرماتے تو ماں باپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اول تو اس حدیث میں ان کے لئے قیام کی نفی نہیں ہے اور عدم ذکر سے عدم قیام کا ثبوت نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھا دینا ان کے اکرام کے لئے بہت کافی تھا۔ اور رضاعی بھائی کے سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں قام فاجلس بین ید ید یعنی حضور کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انھیں بٹھایا۔ اگر جگہ کی قلت کی وجہ سے حضور کا قیام ہوتا تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ حضور کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر انھیں بٹھایا۔ دوسرے یہ کہ جگہ بنانے کے لئے کسک جانا کافی تھا کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

قیام تعظیمی کی تیسری دلیل

فتح مکہ کے دن ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ خوف کی وجہ سے کن طرف بھاگ گئے

تھے۔ اسی حالت میں انھیں خدا نے توفیق دی اور وہ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان کی اہلیہ انھیں اپنے ہمراہ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی حضور نے انھیں دیکھا جذبہ مسرت میں کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔ اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور فرمایا کہ میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

اسی طرح کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی منقول ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور کے منہ بولے بیٹے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت حضور میرے حجرے میں تشریف رکھتے تھے، میں نے دیکھا کہ حضور انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگا لیا۔

ان تینوں حدیثوں میں دوسروں کے لئے خود حضور کا قیام کرنا ثابت ہوا۔ اور اس بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہے کہ نہ صرف یہ کہ دوسرے کے لئے قیام کرنا جائز ہے بلکہ سنت رسول بھی ہے۔

قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل

حضرت ابو داؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگوں کے سخاوبات کرتے تھے اور سلسلہ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم نوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ حضور اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا ثابت ہو گیا۔

قیامِ تعظیمی کی پانچویں دلیل

اس حدیث کو امام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو داؤد، ترمذی، اور حاکم نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور کے پاس تشریف لاتی تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے قیام فرماتے تھے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا ثُمَّ اخَذَ بِيَدِهَا حَتَّى يُجْلِسَهَا رَفِي مَكَانٍ

یعنی حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ان کی پیشانی چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ اس حدیث سے بھی دوسروں کے لئے حضور کا قیام ثابت ہو گیا۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لیے حضور کا قیام اکرام کے طور پر نہیں تھا بلکہ جگہ کی تنگی تھی اس لئے جگہ بنانے کے لئے تھا۔ فاضل مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جگہ بنانے کے لئے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں تھی صرف کھسک جانا کافی تھا۔ اور اگر جگہ اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور انھیں بٹھا کر باہر چلے جاتے ہوں حالانکہ کسی حدیث میں ایسی روایت نہیں ملتی۔

اس مقام پر فاضل مصنف نے امام بیہقی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ القیام علی وجہ الاکرام جائز کقیام الانصار لسعد و قیام طلحة لكعب۔ یعنی کسی کے اکرام و تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز ہے جیسے انصار کا قیام حضرت سعد کے لئے اور حضرت طلحہ کا قیام حضرت کعب کے لئے۔

قیامِ تعظیمی کی چھٹی دلیل

حضرت ابو داؤد کی یہ حدیث ہے جسے انھوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اسٹھنے بیٹھنے بات چیت اور اپنی جملہ عادات و اطوار میں حضور کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لئے تعظیماً کھڑی

ہو جاتی تھیں اور حضور کے دست مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور انھیں اپنی جگہ پر بھٹاتی تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور کے لئے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیام تعظیمی ایک آدھ بار کا نہیں تھا بلکہ پوری زندگی ان کا معمول ہی یہ تھا۔ پھر یہ بات بھی گہرائی میں اتر کر سوچنے کی ہے کہ اگر ان کا یہ قیام تعظیمی حضور کے نزدیک ناجائز ہوتا تو حضور اس فعل سے انھیں یقیناً روک دیتے۔ لیکن جب حضور نے اپنے قیام تعظیمی سے انھیں نہیں روکا تو چودھویں صدی کے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں حضور کے قیام تعظیمی سے روکیں۔

قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل

یہ حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال میں اس کی صراحت موجود ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی جگہ سے اپنے بھائی کے لئے اٹھے مگر بنو ہاشم دوسرے کے لئے نہ اٹھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

يَقُومُ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ لِوَجْهِهِ اِلَّا بَنُو هَاشِمٍ لَا يَقُومُونَ لِوَجْهِهِ۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے قیام تعظیمی کا نہ صرف جواز ثابت ہوا بلکہ استحباب بھی ثابت ہو گیا کیونکہ امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔

اور علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو قیام کرنا واجب ہے۔ ان کے فتوے کی عبارت یہ ہے۔ ان ترکہ

اَلَا نَ صَا رَ عُلَمَاءَ عَلٰی الْقَطِيْعَةِ وَوَقُوْعِ الْفِتْنَةِ فَيَجِبُ دَفْعًا لِذَلِكَ۔

قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل

اس حدیث کی بخاری، مسلم، امام احمد، نسائی اور ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا سَرَّ اَيْتُمُ الْجَنَائِزَةَ فَقُومُوا لَهَا جَب تَمَّ جَنَازَهُ دَكِّحُوْا سَرَ كُفْرُ سَرِّ هُوَ جَاوُزٌ۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد نسائی اور ترمذی

نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
 اِذَا سَأَبْتُمْ الْجَنَائِزَ فَاقْوُمُوا لَهَا حَتَّى يُخَلِّفَكُمُ اَوْ يُوضِعُ جَبْتُمْ كَوْنِي جِنَازَه
 دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ او جھل
 نہ ہو جائے یا زمین پر اتار کر رکھ نہ دیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی جنازے کے لئے قیام کا حکم صراحت کے ساتھ
 ثابت ہو گیا ہے۔

قیام تعظیمی کی نوں دلیل

یہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
 نے حضرت ہبل ابن حنیف اور حضرت سعد ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت
 کی ہے۔

یہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ قادیسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ
 لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس پر کچھ
 لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے۔ ہم نے انہیں جواب دیا کہ ایک بار حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ ارشاد
 فرمایا کیا وہ جان نہیں ہے۔

اس حدیث کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب منتقى الاخیار میں نقل کیا ہے۔

قیام تعظیمی کی دسویں دلیل

طبرانی اور کنز العمال میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث
 نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے
 تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ قیام ان فرشتوں کے لئے ہے جو اس جنازہ کے
 ساتھ چلتے ہیں۔

اس حدیث سے نہایت صراحت کے ساتھ فرشتوں کے لئے قیام تعظیمی ثابت

ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیام تعظیمی کے لئے دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بغیر دیکھے بھی کسی کے لئے قیام کیا جاسکتا ہے۔ یہیں سے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا جو قیام و سلام کے موقعہ پر ہم سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو جو ان کے لئے قیام کرتے ہو۔

پچھلے صفحات میں جنازے کے لئے قیام کرنے کی جو حدیثیں گزری ہیں اس حدیث سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو گئی کہ قیام کا حکم ان فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے جو جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

فاضل مصنف کی ایک ایمان افروز عبارت

قیام تعظیمی کے ثبوت میں یہ ساری حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت مصنف نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہو گئے۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتے وقت کھڑے رہنے میں تشبہ بالعبادۃ ہے اور وہ جائز نہیں۔ بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضروری ہو تو نبی پاک کے لئے بطریق اولیٰ ضرور ہوگا۔ (ص ۱۷۸)

قرآن میں منصب رسالت کی تعظیم کا حکم

فکر انگیز اور بصیرت افروز دلائل کے ساتھ قیام تعظیمی کے جواز کی بحث مکمل کر لینے کے بعد فاضل مصنف نے رسالت کی تعظیم و ادب کے موضوع پر عشق و عقیدت اور ایمان و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں ان کی خوشبو سے اپنی مشام جان کو معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

چند آیات و احادیث و آثار یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ لیکن پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی ادب کا فعل صادر نہیں ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مختلف پیرایے میں بیان فرمایا ہے۔ (ص ۱۷۸)

قرآن حکیم میں جن آیتوں کے ذریعہ اہل ایمان کو تعظیم نبی کا صریح حکم دیا گیا ہے وہ دو ہیں۔

پہلی آیت

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
وَنَذِيرًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَا لَلَّهِ
وَسُّوْلِيهِ وَتُعْزِزُوهُ
وَتُوقِرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً
وَأَصِيْلًا ۝

بیشک ہم نے آپ کو شاہد اور
مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ (اے
لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے
رسول پر اور اس رسول کی تعظیم و
توقیر بجالاؤ اور صبح و شام خدا کی
تسبیح و تقدیس کرو۔

اس آیت کریمہ میں رسول کو بھیجنے کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں، پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس رسول کی تعظیم و توقیر بجالائیں۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں۔ گہری نظر سے اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسول کی تعظیم و توقیر کوئی سطحی اور ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح ایمان باللہ و الرسول اور عبادت خداوندی رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے اسی طرح رسول کی تعظیم و توقیر بھی بعثت رسول کا مقصود اعلیٰ ہے لیکن کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ

لوگ عبادت پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن رسول کی تعظیم و توقیر کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کرتے۔ حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھے تو آیت کریمہ میں ایمان کے بعد رسول کی تعظیم و توقیر ہی کا درجہ ہے۔ عبادت تو یہاں بالکل تیسرے نمبر پر ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ میں رسول کی تعظیم و توقیر کے لئے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ تعظیم و توقیر کا حکم ہم کس طرح بجالائیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول کی عزت و تکریم کے اظہار کے لئے قیامت تک جتنے بھی جائز طریقے ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب اس مامور بہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب کسی بھی طریقہ تعظیم کے لئے دلیل خاص کا مطالبہ کرنا قرآن فہمی کے اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ نوٹ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

آیت شریفہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر آپ کی بعثت مبارکہ کا مقصود اصلی ہے جسے حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت بیان فرمایا ہے۔ ۱۴۹

دوسری آیت کریمہ

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ
الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

پس جو لوگ نبی پر ایمان لائے
اور ان کی تعظیم کی، اور ان کی مدد
کی اور اُس نور کی پیروی کی جو
ان کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی
وہ لوگ ہیں جو نجات و فلاح
پانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے نجات ممکن نہیں ہے کیونکہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب **أَوْلِيَاكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** کی حصر کے لئے ہے۔ یعنی رستگاری اور نجات خاص اُنہی لوگوں کے لئے ہے جن میں یہ صفات موجود ہیں۔ اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ باوجود اُس خلقِ عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوشش اور وحشی صفت بیگانے بھی مانوس ہو گئے اور باوجود کمال عشق و محبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرہ مبارک کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ کوئی بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔ (ص ۱۸)

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں نہایت اہتمام و صراحت کے ساتھ تعظیم رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رب العزیز کی جناب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے؟ اور خداوند ذوالجلال نے ان کی رفعت شان کا کس درجہ اہتمام فرمایا ہے۔ اور اس حقیقت کو تو قرآن کا ہر صفحہ بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ کی رضا رسول کی مرضی کے ساتھ منسلک ہے۔ اور رحمت و تقرب کا دروازہ ان لوگوں پر ہمیشہ کے لئے مفضل ہے جو رسول کی طرف سے اپنے دلوں میں کدورت یا ہمسری و سرکشی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اس دعوے پر فاضل مصنف نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے اتنا شاندار استدلال فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد برصحت مند دل عشق و عقیدت کے سوز و گداز اور کیف و سرور کی لذتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہر آیت کے ذیل میں فاضل مصنف نے جو علمی نکتے ارشاد فرمائے ہیں وہ حرزِ جان بنالینے کے قابل ہیں۔ اب دل کے اخلاص اور دیدہ شوق کی طہارت کے ساتھ ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

تفسیری آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا
لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ
عَلَى بَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ
أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ
لَا تَشْعُرُونَ ۝

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی
آوازیں بلند نہ کرو۔ اور ان سے
اونچی آواز میں اس طرح بات
نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے
سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے
اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر
بھی نہ ہو۔

تشریح

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب چند صحابہ کرام حضور کے سامنے چلا چلا کر
بات کر رہے تھے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے قسم کھالی کہ اب میں حضور سے اس طرح بات کر دوں گا جس طرح کوئی شخص راز کی
بات کرتا ہے۔

اسی آیت کریمہ کے زیر اثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سے اتنی دھیمی آواز
میں بات کرتے تھے کہ حضور کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔
اور حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس پر تو اس آیت کریمہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ
وہ شدت اضطراب سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ اپنے پاس آنے جانے
والوں سے کہتے تھے کہ چونکہ خلقی طور پر میری آواز بلند ہے اس لئے میری ہی آواز حضور
کی آواز پر بلند ہوتی ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے۔ اور میں جہنم کا
مستحق ہو گیا۔

اس غم میں کئی دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ ایک دن
خود حضور جان نور نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تفتیش حال کے لئے جب

صحابہ کرام ان کے گھر گئے تو انہوں نے بتایا کہ میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوتی تھی اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال ضبط ہو گئے اور اب میرا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہے۔ حضور کے سامنے جب لوگوں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ حضور کی بشارت کے مطابق جنگ یمامہ میں انہوں نے منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ظاہری طور پر بھی جنت کا استحقاق حاصل کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے آدمی بھیج کر انہیں اپنے پاس بلا یا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں خیر و صلاح کی زندگی گزارو اور خدا کی راہ میں شہید کئے جاؤ۔ اور جنت کا دائمی عیش تمہیں گلے لگائے۔ انہوں نے جواب دیا! یا رسول اللہ! دل کی پوری بشارت کے ساتھ میں اس پر راضی ہوں۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔

اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرتِ الہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

فاضل مصنف کے تبصرے کا یہ آخری حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے

اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت

یا غیرت کبریائی میں کوئی فرق آگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفات الہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسے صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (ص ۲۰۶)

جو تھی آیت کریمہ

بیشک جو لوگ رسول اللہ کے حضور میں دھیمی آواز سے بات کرتے ہیں، انہی لوگوں کے دلوں کو خدائے کر درگاز نے تقویٰ کے لئے منتخب کر لیا ہے انہی لوگوں کے لئے مغفرت و بخشش اور اجر عظیم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتُونَ
أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ
اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
أَمَّا تَحَنَّ اللَّهُ فَتَلُؤْ بِهَمْ
لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ

تشریح

اس آیت کریمہ میں "دل کا تقویٰ" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اسی کے متوازی "دل کا مرض" ہے جس کا تذکرہ قرآن نے منافقین کے بارے میں ان لفظوں میں کیا ہے۔ وَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا اور ان کے دلوں میں مرض ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کے مرض بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ بات اگر سمجھ لی جائے کہ دل کا مرض کیا ہے اور وہ بڑھتا کس طرح ہے تو دل کا تقویٰ بھی سمجھ میں آجائے گا۔ منافقین کی اس ناپاک مرثت سے ساری دنیا واقف ہے کہ وہ ایک طرف

اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے نماز میں بھی شریک ہوتے تھے اور دوسری طرف رسول کے خلاف دل میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ اور دشمنوں سے مل کر ان کے خلاف طرح طرح کی سازش بھی رچاتے تھے۔ اسی باطنی خبث کا اثر تھا کہ حضور کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوشی مناتے اور جب حضور کی جلالت شان، اور فتح و کامرانی کی کوئی بات ظاہر ہوتی تو وہ جلن کی آگ میں سلگنے لگتے۔

رسول کی عظمتوں سے جلنا اور ان کی رفعت شان کے اظہار پر سلگنا، یہی ان کے دل کا مرض تھا۔ اور جب ان کے دل کی خواہش کے خلاف خدا کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا یا کوئی ایسی آیت اترتی جس سے حضور کی شان شوکت میں چار چاند لگ جاتے تو ان کے چہروں پر ذلت و نامرادی کی پھٹکار برستی اور اندر ہی اندر وہ سلگنے لگتے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے مرض کے بڑھنے سے تعبیر کیا ہے۔

اب اس کے برعکس حضور کی عظمت شان کے اظہار پر ایک سچے مسلمان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کا نام "دل کا تقویٰ" ہے۔ دل کا تقویٰ اگرچہ ناسخ کی آنکھ سے نظر آنے کی چیز نہیں ہے لیکن حرکات و سکنات، نقوش و الفاظ، اور گفتار و کردار سے محسوس کی چیز ضرور ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ایک صحت مند دل اور ایک بیمار دل کے درمیان جوہری فرق یہی ہے کہ ایک صحت مند دل حضور کی تعریف سن کر فرط مسرت میں اچھلنے لگتا ہے اور اپنی پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع اسے بار بار میسر آئیں۔ جبکہ بیمار دل، حضور کی تعریف سن کر اور بیمار پڑ جاتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع کبھی وجود میں نہ آئیں۔ چشم بصیرت وا ہو تو دونوں طرح کی یہ کیفیت آپ کو اپنے پڑوس ہی میں نظر آجائے گی۔

اتنی تمہید کے بعد اب اس آیت کے ذیل میں ذاصل مصنف کی اس مہکتی ہوئی عبارت سے اپنا دماغ معطر کیجئے۔

سبحان اللہ! کس قدر رحمت و فضل کا دریا موجزن ہے ادب والوں
سے کہ اگرچہ گنہگار ہوں ان کے لئے مغفرت کی بشارت بھی ہے

اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی۔
 اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس
 کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ دولت انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے
 جن کے قلوب امتحانِ الہی میں پورے اتریں۔ (ص ۶۲)

پانچویں آیت

بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے	إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ
پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے	مِنْ وَّسَاءِ الْجُعَلَاتِ أَكْثَرُهُمْ
اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ	لَا يَعْقِلُونَ هَ وَنُوا أَنَّهُمْ
لوگ صبر سے کام لیتے یہاں تک کہ	صَبْرًا وَحَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ
آپ خود ان کی طرف تشریف لے	لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اللَّهُ
جاتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر تھا، اور	عَفْوًا شَرِّبِمْ
اللہ نچستے والا مہربان ہے۔	

تشریح

اس آیت کریمہ میں خاص طور پر دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ پہلی بات تو ہے کہ یہ پیغمبر کا منصب ہے کہ بندوں کو خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے آداب سکھائے۔ لیکن یہاں الطاف کریمانہ کا یہ جلوہ ماتھے کی آنکھوں سے دیکھئے کہ معبود حقیقی اپنے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے آداب خود اپنے بندوں کو سکھلا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ ایسا بندہ ہماری ہی طرح ایک نادان بے خبر اور بے وقعت بندہ ہوگا۔ معاذ اللہ!

ذرا برابر بھی کسی کے دماغ میں جوہر لطیف کا حصہ ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بندہ جس پائے کا رسول ہے یقیناً اسی پائے کا محبوب بھی ہے۔ کیونکہ اس طرح کا معاملہ حاکم و بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا پھر اپنے کسی خاص الخاص محبوب

کے ساتھ! تیسری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن صرف خدا کی عبادت کا ڈھنگ بتاتا ہے رسول کی تکریم و آداب کے طریقے بدعتیوں نے نکالے ہیں، وہ عبرتناک قسم کی غلط فہمی یا بددیانتی میں مبتلا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ دل کی کیفیت کے اعتبار سے جرم کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں اگر کوئی جرم عمداً سرزد ہوا ہے تو اس کی سزا سخت ہوتی ہے اور سہواً ہوا ہے تو سزا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ قصد و بلا قصد کی بنیاد پر سزائوں کا یہ فرق قانون کی نظر میں بھی مسلم ہے۔

یہاں صورت حال بتا رہی ہے کہ مجرموں کے پیچھے سے رسول کو پکارتے والے اہانت کی نیت سے نہیں پکار رہے تھے بلکہ بارگاہ رسالت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی۔ دلوں کا حال کوئی جاننے نہ جانے پر اللہ تو ضرور جانتا ہے۔

اسی لئے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے نرم لب و لہجہ میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو بے عقل یا بے وقوف کہہ دینا کوئی بڑی مذمت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد ہی وَ اِنَّ لِّلّٰهِ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کا مرہم تسکین کیا ان لفظوں کا کرب کسی کو محسوس ہونے دے گا۔

لیکن اب آئیے تصویر کے دوسرے رخ کا بھی مطالعہ کریں۔ اسی قرآن میں کچھ گستاخ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول کی حرمت کو دیدہ و دانستہ اہانت کے کلمات سے مجروح کیا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن کا رویہ اتنا سخت ہے کہ رونگئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پوری سورہ لہب خدا کے قہر و جلال کی ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب آج تک سلگ رہا ہے۔ کفر و شرک کا جرم تو اس نے اپنی زندگی میں ہزاروں بار کیا ہو گا پھر بھی مشیت الہی کی غیرت جو شش میں نہیں آئی۔ لیکن رسول کے ساتھ گستاخی کا ایک جرم سرزد ہوا تو سارا جہنم ابل پڑا اس پر بھی اور اس کی جو روپیر بھی۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجرم کے ساتھ ساتھ مجرم کے حامیوں اور ساتھیوں کی بھی پکڑ ہوتی ہے۔

آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے تو آپ کو اسی قرآن میں وہ گستاخ بھی ملے گا جس کے دس عیوب قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں یہاں تک کہ اخیر میں اس کے نسب کا پول بھی کھول دیا ہے۔ پھر جس منہ سے اس نے رسول کی شان میں

گستاخی کا جملہ نکالا تھا اسے سُور کی تھو تھنی قرار دے کر اس پر دائمی عذاب کی مہر بھی لگا دی ہے۔ کتاب کے ضخیم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس طرح کے بے شمار مقامات میری نظر میں تھے۔ اس لئے اتنے ہی بے بس کرتے ہوئے اب میں پھر آپ کی گرانقدر توجہ حضرت فاضل مصنف کے ان ایمان افروز ارشادات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس آیت کریمہ کے ذیل میں انہوں نے ثبت فرمائے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اس آیت شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کر کے انہیں پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنون کہا گیا یا کوئی اور بات ہے۔

یہ کسی کتاب میں بھی نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کر کے آئے اور گڑ بڑ کر کے چلے گئے بلکہ کتب احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبر لوگ منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں باوجود اس کے بے وقوف بنائے جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشا اس کا کچھ اور ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کے عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی اس لئے کہ یہ توحق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے

ثابت ہوگئی۔ (صفحہ ۲۸)

چھٹی آیت

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ
بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا -
تم اپنے درمیان رسول کے
پکارنے کو ایسا مت ٹھہراؤ جیسے تم
آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

تشریح

اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں بہا کلمات ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت موصوف نے اپنے علم و فضل کے کیسے کیسے جواہرات بکھیرے ہیں۔ تفسیر درمنثور کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں:

بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع کر دیا اور تاکید فرمائی کہ کامل عجز و نیاز کے ساتھ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر انہیں پکارا کریں جس سے عظمت و شرف اور تعظیم و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہو۔ حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ جب بھی خطاب کیا یا ایہا النبیؐ وغیرہ صفات کمالیہ کے ساتھ ہی انہیں خطاب کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں پر ظاہر کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیائے اولوالعزم کو ان کی جلالت شان کے باوجود نام ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔ (ص ۲۰۰)

اس کے بعد حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک عجیب غریب نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے :

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک طرح کا التزام نعت نبوی کا رکھا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پکارنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ اپنی ذات کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ اب اگر کسی کو صرف اس کے نام کے ساتھ پکارا جائے تو اس سے صرف اتنا ہی مقصد حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن اگر اس کے کسی وصف خاص کے ساتھ پکارا جائے تو توجہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و تعریف کا اظہار بھی ہو جائے گا۔ اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارنے سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے وہیں دوسرا مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہر پکار میں حضور کی نبوت و رسالت کا بھی اظہار ہوتا رہے گا جو حضور کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑا وصف ہے بلکہ جملہ اوصاف و کمالات کا مدار وہی ہے۔ (ص ۲۰۹)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک اعتراض اور اس کے جواب میں نہایت شاندار بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

یہاں ایک اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ ابو امامہ ابن سہیل سے جو حدیث نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، امام احمد ابن حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ اس میں یہ واقعہ

نقل ہوا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر جلوہ فرماتے تھے، ایک صاحب ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے ہر روز حاضر ہوتے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

ایک دن انہوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان ابن حنیف سے بیان کیا۔ انہوں نے مقصد کی کامیابی کے لئے انہیں ایک عمل بتایا اور کہا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اور دعا کے بعد اپنا مقصد عرض کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتُوجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي
أَتُوجَّهُ بِكَ إِلَى سَابِقِ نَبِيِّ حَاجَتِي لِتُقْضَى لِي
فَشَفِّعْنِي فِيَّ۔

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے:

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔ تو آپ میرے بارے میں خدا کے حضور سفارش کر دیجئے۔

چنانچہ انہوں نے اسی ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ ان تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ وہ ان کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان نے پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ انہیں اپنی مسند پر بٹھایا اور فوراً ان کی حاجت پوری کر دی۔ اور فرمایا کہ آئندہ تمہیں کسی طرح کی حاجت پیش آئے تو سیدھے میرے پاس آجایا کرو۔ اسی دن وہ صاحب حضرت عثمان ابن حنیف کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی سفارش سے آج حضرت عثمان غنی نے میری حاجت پوری فرمادی اور وہ میرے اوپر اتنے مہربان ہوئے

کہ آئندہ کے لئے بھی میرا راستہ کھل گیا۔

حضرت عثمان ابن حنیف نے فرمایا کہ میری تو ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے اس لئے سفارش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سارا اثر اسی نماز کا ہے جس کی ترکیب میں نے آپ کو بتائی تھی۔

کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حضور کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیے کہ میں بینا ہو جاؤں حضور نے اسے اسی نماز کی تلقین فرمائی تھی۔ جیسے ہی اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگی ابھی اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اسی وقت سے حاجت براری کے لئے یہ نماز مسلمانوں میں رائج ہو گئی۔

حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اس نماز کے بارے میں یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد جو دعا کی جاتی ہے اس میں لفظ محمد کے ساتھ حضور کو ندا کیا جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی رو سے نام کے ساتھ حضور کو پکارنے کی ممانعت ہے۔

انہوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس نماز اور دعا کی تعلیم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس لئے دعا کے الفاظ میں کسی طرح کا رد و بدل نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس لئے بھی وہ مناسب نہیں ہے کہ خود نماز کی تاثیر کے ساتھ ان الفاظ کا گہرا تعلق ہے کہ یہ الفاظ حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔ (۲۵۵)

ساتویں آیت

لے ایمان والو! (نبی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) راہنما مت کہا کرو بلکہ اُنظُرنا کہا کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَقُولُوا سَاءَ مَا عَدَبْنَا وَقُولُوا
أَنْظُرْنَا۔

تشریح

اس آیت کو یہ کہہ کر شان نزول یہ ہے کہ یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے سَاءَ مَا عَدَبْنَا کہتے تھے۔ جس کا مطلب

یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں۔ یعنی ابھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے راعنا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں راعنا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی راعنا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تم راعنا کے بجائے اَنْظُفْ ناکھا کرو یعنی ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی وہ لفظ ہی ترک کر دو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنا اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے یہ گہمائے گرانمایہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایت بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشایستہ جن میں صراحتہً حضور کی کسر شان ہو کیونکہ جائز ہوں گے۔ (۱ ص ۲۱۲)

فاضل مصنف کا یہ دوسرا پیرا اگر ان بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے :

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن مار دی جائے۔ بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ

حکم عام تھا بیشک اس کی گردن مار دی جاتی۔ اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہً یا کنایتہً کس درجہ قبیح ہوگا۔ (ص ۲۱۲)

اب اس بحث کے خاتمے پر غیرت عشق و وفا میں بھیجے ہوئے حضرت مصنف کے یہ تاثرات پڑھے۔ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ اور لفظ لفظ ایمان کی حرارت سے تپا ہوا ہے:

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راجعاً کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لئے تاویلات بارودہ کچھ مفید ہو سکتیں ہرگز نہیں۔ مگر اب سو اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رویا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ بختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دیئے تھے۔ ان خیالات کے جھللاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔

غرض میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کہاں حرارت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جوگتاخیاں اور بے ادبیاں قابلِ سزا تھیں، انہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا۔ (ص ۲۱۳)

فاضل مصنف کی یہ عبارت بار بار پڑھے اور ہر بار اپنے دل کے کسی روزن سے جھانک کر دیکھئے کہ کیا وہاں غیرت عشق رسول نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ اگر آپ کی غیرت

بیدار ہوتی اور آپ گستاخانِ رسول کے لئے خطرہ بن گئے ہوتے تو ایک بڑے مصنف کے قلم
 نوک سے حسرتوں کا یہ خون نہیں ٹپکتا۔

آٹھویں آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلاَّ
 أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ
 غَيْرِ نَازِلٍ مِنْ آفَاءٍ وَ لَكِنْ
 إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا وَ
 إِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَ
 لَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ
 ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ
 فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ
 لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ه

اے ایمان والو! نبی کے گھر میں صرف
 اس وقت جاؤ جب تمہیں بلایا جائے
 اور وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا
 انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا
 جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو
 منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل
 لگائے ہوئے وہاں مت بیٹھے رہو۔
 کیونکہ اس بات سے نبی کو
 اذیت پہنچتی ہے اور وہ فرطِ حیا
 سے کچھ نہیں بولتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ
 حقائق سے حیا نہیں فرماتا۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں بھی صحابہ کرام کو نبی کے کاشانہ اقدس میں داخل
 ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن صرف روزہ و نماز
 اور عبادات کے احکام سکھانے کے لئے اترا ہے۔ منصب نبوت کا ادب و احترام اس
 کا موضوع سخن نہیں ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب فاضل مصنف کی تحریر کے مطالعہ
 سے اپنی آنکھیں کھنڈی کیجئے۔ آیت کریمہ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت کے دولت خانے
 میں تھوڑی دیر ٹھہرے رہے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔

ان کی وجہ سے حضور نہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو سکے اور نہ مروت سے کچھ فرما سکے۔ غرض یہ کہ یہ بات کسی قدر گرانی خاطر کا باعث ہو گئی۔ اور اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سر اسر کسر شان کی ہیں کس قدر غیرت الہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (۲۱۶)

تعظیم و ادب کے سلسلے میں حضور پاک کی عملی تعلیمات

دین میں تعظیم و ادب کی اہمیت و ضرورت پر قرآن کی آیات کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد اب حضرت فاضل مصنف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی سے چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہو جائے کہ قابل احترام چیزوں کا ادب اور تعظیم اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور رسول پاک کی سنت بھی۔ اس موضوع پر حضرت مصنف نے چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

پہلی حدیث

دارقطنی کتاب المجتبیٰ میں حضرت ابو جہم سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہو کر بیرجمل کی طرف سے تشریف لارہے تھے کہ میرا آنا سامنا ہو گیا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور نے جواب دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ تیمم کرنے کے بعد حضور نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جواب دینے سے سوا اس کے اور کوئی چیز مانع نہ تھی کہ میں با وضو نہ تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **إِنَّهُ لَمْ يُمْنِعْنِي أَنْ أُرَدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِذْ آتَى لَمْ أَكُنْ عَلَى طَهْوٍ**۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ لفظ **وعلیکم السلام** کچھ آیت قرآنی نہ تھی جسے پڑھنے کے لئے ہمارت کا اہتمام ضروری تھا۔ اگرچہ حدیث اصغر سے

طہارت آیت قرآنی کی تلاوت کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلا طہارت اسے زبان پر جاری کرنے سے تاہل فرمایا۔ گویا اس سے اس بات کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اس کے کرنے کی اجازت ہو، احتراز کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔

۲۲۷

دوسری حدیث

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ قوم یہود کے چند اشخاص حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ تھوڑی دیر کے لئے قف تک تشریف لے چلیں جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ چنانچہ حضور وہاں تشریف لے گئے اور بیتِ مدراہس میں قیام فرمایا۔

حضور کے لئے ان لوگوں نے ایک مسند بچھا رکھی تھی جس پر حضور جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنا اصل مدعا پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم میں سے کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس بارے میں آپ حکم صادر فرمائیں کہ اسے کیا سزا دی جائے۔ اس درخواست کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ تورات منگوائی جائے۔

جب وہ لوگ تورات لے کر آگئے تو حضور مسند سے نیچے اتر آئے اور تورات کو مسند پر رکھ دیا کہ میں تجھ پر اور تیرے اتارنے والے پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے اندر جو بڑا عالم ہو اسے بلا لاؤ۔

چنانچہ ایک جوان آیا اور اس نے تورات سے ثابت کر دیا کہ یہودی مذہب میں زانی کو سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ یہودی اس سزا کا انکار کرتے تھے۔ (۲۲۵) اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

باوجودیکہ اس زمانے میں تورات تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی لیکن حضور نے اس کا بھی احترام کیا کہ خود مسند سے نیچے اتر گئے اور تورات کو مسند پر چکے دی۔

تیسری احادیث

مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے صاحب کنز العمال نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم مکہ معظمہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف وجوانب میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور نے انہیں حکم فرمایا اور سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی جَاءَ الْحَقُّ وَنُفِىَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا

اس کے بعد خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس موقع پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی تصویریں دیواروں پر اس طرح بنائی گئی ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تیرہ جس کے ذریعہ کفار فال لیا کرتے تھے۔

حضور نے یہ تصویریں دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا قَاتَلَهُمُ اللَّهُ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَسْتَفْسِمُ بِالْأَشْرَافِ - اللہ ان تصویر بنانے والوں کو ہلاک کرے، حضرت ابراہیم تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ اس کے بعد حضور نے زعفران منگوا کر ان تصویروں پر پوت دیا جس سے تصویریں چھپ گئیں۔

اب اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز عبارت چشم عقیدت سے پڑھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جس طرح جاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات ضرور تھی کہ ان حضرات کا نام ان فرضی تصویروں کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا جس کا لحاظ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے۔ — ورنہ

مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایک طرح سے ادب کی رعایت کی گئی۔

اب مقام غور ہے کہ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ بھی صرف نام کا لحاظ کرتے ہوئے ادب کی رعایت فرمائی تو ہم آخری زمانے کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہیے جن کا بطور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔

اور اگر بالفرض حضور کی طرف ان آثار کی نسبت صحیح بھی نہ ہو تو کم از کم اس کا تو لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہاں حضور کی نسبت تو ہے۔ اور طرفہ تماشایہ ہے کہ بجائے نادم ہونے کے لوگ اسی عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں۔

(صفحہ ۲۳۳)

پوچھی حدیث

صحاح ستہ میں حضرت ابوالیوب انصاری سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رفع حاجت کے وقت نہ قبلے کی طرف منہ کرو اور اس کی طرف پیٹھ کرو۔ اور دوسری حدیث میں جسے صاحب کنز العمال نے حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت کی ہے، جس میں حضور نے اس حکم کی علت کھول کر بیان کر دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ قبلہ کی سمت کا احترام کرتے ہوئے اس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے۔ پھر اسی کنز العمال میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جس میں حضور نے ارشاد

فرمایا ہے کہ جو شخص بھول کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگے یا پھر یاد آتے ہی قبلہ کی تعظیم کے خیال سے رخ پھیر لے تو اٹھنے سے پہلے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے حقیقت راقم سے علم و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں اس کی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کیجئے ارشاد فرماتے ہیں :

اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا کیوں منع ہوا۔ خصوصاً اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہو۔

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے۔ اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لئے کافی تھا لیکن ہر وقت اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور حالت نماز کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس کا ادب ملحوظ رکھنا کیا ضروری ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عوامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ آداب کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے واقف ہیں ان کی طبیعت خود گواہی دے گی کہ فضیلت و شرافت والی چیزوں کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضروری ہے۔ (ص ۲۲۸)

عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت اور دیدہ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

جب بیت اللہ شریف کو بہ سبب شرافت یہ رتبہ حاصل ہوا کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس کا ادب ضروری ٹھہرایا گیا تو جسے

ذرا بھی نور بصیرت حاصل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص جیب
 رب الغلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آداب کی کس قدر
 ضرورت ہوگی۔

(ص ۲۲۹)

— — —

بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام اور اکابر امت کے شیوہائے ادب

اس عنوان کے تحت حضرت فاضل مصنف نے احادیث و سنیز کی مستند کتابوں سے ایسے واقعات جمع کئے ہیں کہ انھیں پڑھنے کے بعد ایمانی احساس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے اور آدمی شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ منصب رسالت کے آداب کی جن نراکتوں کو صحابہ کرام اور اکابر امت نے برت کر دکھایا آج ہم ان سے واقف تک نہیں ہیں عمل کرنا تو بڑی بات ہے۔

اور یہ واقعات ان لوگوں کی پشت پر ایک عبرتناک تازیانہ سے کم نہیں ہیں جو تعظیم و ادب کے ہر موقع پر ہم سے سوال کرتے ہیں کہ حضور نے ہمیں اس کا حکم دیا ہو تو کتابوں میں دکھائیے۔ ہم ان سے جواباً عرض کریں گے کہ صحابہ کرام اور اکابر امت کے یہ واقعات جو آنے والے اوراق میں درج کئے جا رہے ہیں آپ انھیں غور سے پڑھیے اور بتائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس ادب و احترام کا انھوں نے مظاہرہ کیا تھا کیا حضور نے انھیں اس کا حکم دیا تھا۔؟

تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کو اس کے بارے میں حضور کا کوئی حکم نہیں ملے گا۔ سوا اس کے کہ صحابہ کرام اور اکابر امت نے ہر موقع پر خود اپنے ایمان کا تقاضا محسوس کیا اور اسے پورا کیا۔ لیکن جہاں سرے سے ایمان ہی کا فقدان ہو وہاں ایمان کا تقاضا محسوس کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اب دل کے اخلاص کے ساتھ چشم عقیدت وا کر کے ان واقعات کا مطالعہ کیجئے:

عام صحابہ کا شیوہ ادب

صحابہ کرام کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کے ثبوت میں مصنف کتاب نے کفار قریش کے ایک نمائندے کی زبانی جو دلولہ انگریز شہادت پیش کی ہے، وہ اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جذبہ شوق کی امنگوں کے لئے ایک نوید جانفزا ہے۔

راویان حدیث بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صنناوید قریش نے عروہ نام کے ایک جہاندیدہ شخص کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر وادی حدیبیہ میں بھیجا۔ اس نے ہر رخ سے حضور کے لشکر کا جائزہ لیا، قدم قدم پر صحابہ کرام کی جاں نثاری اور والہانہ جذبہ وارفنگی کے بھی اس نے مناظر دیکھے۔ جب وہ واپس لوٹ کر مکہ گیا تو صنناوید قریش کے سامنے جن الفاظ میں اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:

”اے میری قوم! قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے سطوت و جبروت والے سلاطین کی پیش گاہوں میں بھی گیا ہوں لیکن جن والہانہ محبت کے ساتھ محمد کے اصحاب محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس کی مثال میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ اپنی ناک صاف کرتے ہیں تو ان کے اصحاب اسے اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں اور اسے اپنے جسم اور منہ پر ملتے ہیں اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لئے ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اعضائے وضو سے جو پانی ٹپکتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے صحابہ اس طرح ایک دوسرے پر گرتے ہیں کہ جیسے جنگ و جدال کی نوبت آجائے گی۔ اور صحابہ کے دلوں پر محمد کی ایسی ہیبت چھائی رہتی ہے کہ کوئی آنکھ بھر کر انہیں نہیں دیکھ سکتا۔“

(المواہب اللدنیہ)

اس واقعہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام کو حضور نے حکم دیا تھا کہ جب میں ناک صاف کروں تو اسے اپنے ہاتھ پر لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا کرو۔ اور جب میں وضو کرنے کے لئے بیٹھوں تو آشفتمہ حال پر وانوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جایا کرو اور قبل اس کے کہ میرے اعضائے وضو سے ٹپکتا ہوا پانی زمین پر گرے تم اسے اپنے ہاتھوں پر روک لو اور اپنے چہرے اور جسم پر ملو۔ بلکہ یہ سارا ہنگامہ شوق صحابہ کرام کا خود اپنا ہر پاکیا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے نہ خدا کا کوئی حکم تھا نہ رسول کا۔ جو کچھ بھی تھا وہ خود ان کے ایمان بالرسول کا تقاضا تھا جس کے سمجھنے میں نہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اور نہ نفس کی کوئی شرارت درمیان میں حائل ہو سکی۔

اور یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضور کے حکم کے بغیر صحابہ کرام کے واہانہ جذبے کا یہ مظاہرہ اگر حرام و ناجائز ہوتا تو حضور یقیناً اپنے صحابہ کرام کو اس سے روک دیتے لیکن حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضور نے صحابہ کرام کو اس طرح کے اظہار عقیدت سے منع فرمایا ہو۔

ان ساری باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نے بھی حکم دیں جب بھی عقیدت و تعظیم کا تقاضا پورا کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تعظیم و عقیدت کا وہ عمل جو کسی حکم منصوص سے متصادم نہ ہو حضور کی طرف سے اس کی عام اجازت ہے۔

جالوروں کا شیوہ ادب

سنن احمد اور نسائی کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کسی انصاری کے پاس ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغ میں پانی پٹایا کرتے تھے۔ ایک بار اس کا دماغ خراب ہو گیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی اس کے قریب نہیں جاسکتا تھا۔ اسی درمیان میں وہ انصاری ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بگڑنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پانی نہ مننے کی وجہ سے کھیت اور باغ مرجھا

رہے ہیں۔

یہ قصہ سن کر حضور اپنے صحابہ کے ساتھ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جب حضور اونٹ کی طرف بڑھنے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔ حضور! یہ اونٹ پاگل کتے کی طرح خطرناک ہو گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ حضور نے فرمایا

لَيْسَ عَلَيَّ مِنْهُ بَأْسٌ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔
حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جو نبی اونٹ نے حضور کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا وہ تیزی سے دوڑا اور حضور کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ حضور نے اس کی پیشانی کا بال پکڑا جس سے وہ بالکل مستحضر ہو گیا۔

یہ حدیث حضرت جابر سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں بیان واقعہ کے بعد میں اتنا اضافہ ہے کہ حضور کے سامنے اونٹ کا سجدہ ریز ہونا دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا کہ حیوانات و بہائم کے مقابلے میں ہمیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور نے جواب دیا کہ کسی بشر کو جائز نہیں کہ وہ بشر کو سجدہ کرے۔
اس حدیث کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ شاندار تبصرہ پڑھے۔

جس کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام کے پیش نظر تھی کہ وہ حضور کو سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے جس میں کمال درجہ کا تذلل ہے۔

عبارت کا یہ ٹکڑا بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی قسم کی عظمت جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے قلوب میں رہی مگر افسوس کہ چند روز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض لوگوں کے سروں میں سما یا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب

باتیں جو کفار و مشرکین کیا کرتے تھے تازہ ہو جائیں۔ کبھی اِنہَا اَنَا
 لَبَسْتُ مِثْلَكُمْ میں غور و خوض ہوتا ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم
 لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے اس لئے حضرت بڑے بھائی
 ہوئے۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ آیات و احادیث
 منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصدت شان نکلتی ہے۔
 اور وہ احادیث جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ توضح کچھ
 کہا ہے حضور کی کسر شان کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔ ص ۱۹

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ ادب

کنز العمال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار انہوں
 نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مرحمت
 فرمانے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْسَانَا يَا آخِي مِنْ دُعَائِكَ

میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں یاد رکھنا

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد میرے نزدیک اتنا گراں بہا
 تھا کہ اس کے مقابلے میں تمام روئے زمین کی سلطنت بھی بیچ سکتی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب نے اُس گستاخ فرقے پر اتنی
 کاری ضرب لگائی ہے جو حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ہمسری
 کا خواب دیکھتا ہے، کہ وہ تمللا اٹھیں گے ارشاد فرماتے ہیں:

حضور کا یہ ارشاد سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوئی کہ
 بیان سے باہر ہے اور اس زمانے کے کچھ لوگ اس حدیث شریف
 سے یہ معنی نکالیں گے کہ اخوت امر اضافی ہے۔ زمانہ کے تقدم اور
 تاخر سے اگر کچھ فرق ہے تو صرف بڑے اور چھوٹے کا ہے یعنی حضرت

بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔ نعوذ باللہ من ذالک

۱۹۴

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سر
میں ہمسری کا سودا سمایا اور یہ خیال آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک
پہنچ گیا کہ اِنْ كُنْتُمْ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَكُمْ تک پہنچا دیا۔ اب یہ شخص اسی
دُخُن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اور وہ کو بھی وہیں پہنچا دے۔
شاید اس کے خیال میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ ہم کہاں

اور شان رحمة للعالمين وسيد المرسلين کہاں

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سلاطین اپنے خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں
بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔
اگر بادشاہ کے کہنے سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی سمجھنے لگیں
تو وہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ باوجود اپنی قرابت اور جلالت شان کے اپنے آپ کو حضور کا
عبد اور غلام کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ مستدرک میں حاکم نے حضرت
سعید ابن المسیب سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درست
ہوتا تو وہ والد اور پدر بزرگوار کا تھا کہ ان کی ازواج مطہرات کو
حق تعالیٰ نے امہات المؤمنین یعنی مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے لیکن
اس کے باوجود حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرمادی جیسا کہ قرآن
کی اس آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ تَرَجَائِكُمْ سے
ظاہر ہے یعنی محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ (ص ۱۹۵)

حضرت ابو بکر صدیق کا شیوہ ادب

بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو میں دو فریق کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور اسی قبیلہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہوا تو مسجد نبوی شریف کے مؤذن نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے اقامت پڑھی۔ حضور کی غیر موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق امامت کے لئے آگے بڑھ گئے اور نماز شروع کر دی۔

اسی درمیان میں حضور تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ جب نمازیوں نے حضور کو دیکھا تو حضرت ابو بکر صدیق کو خبردار کرنے کے لئے ہاتھ سے دستک دینے لگے۔ جب حضرت ابو بکر نے دستکوں کی آواز سنی تو گوشہ چشم سے دیکھا کہ حضور ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔

اس پر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور حضور کی طرف سے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد حضور امامت کے منصب پر تشریف لے گئے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو ابو بکر صدیق سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے خود تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو تمہیں اس حکم کی تعمیل سے کونسی چیز مانع ہوئی۔

حضرت ابو بکر نے جواب میں عرض کیا کہ ابو قحافہ کا بیٹا ہرگز اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو واضح طور پر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود وہ نافرمان نہیں کہے جاتے بلکہ حضور کے سب سے بڑے تابعدار کہے جاتے ہیں۔ آخر اس کی

وجہ کیا ہے ؟

آپ گہرائی میں اتر کر سوچیں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ نافرمانی سے چونکہ حکم دینے والے کی تحقیر ظاہر ہوتی ہے اس لئے نافرمانی کو برا سمجھا جاتا ہے اور اسی کے بالمقابل فرماں برداری سے چونکہ حکم دینے والے کی تعظیم نکلتی ہے اس لئے فرماں بردار کو اچھا کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر کسی مقام پر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور نافرمانی سے حکم دینے والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہو تو ایسی نافرمانی جائز ہی نہیں بلکہ قابل تحسین ہے جس کا اظہار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے ہوتا ہے۔ انہوں نے ہمیں روشنی دکھلائی ہے کہ منصب رسالت کا ادب و احترام دین کی اساس ہے۔ جب تعظیم کی بنیاد پر حکم کی خلاف ورزی قابل تحسین عمل بن سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ تعظیم کا حکم محتاج حکم نہیں ہے بغیر حکم کے بھی نبی کی تعظیم کی جائے گی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ ادب

مسلم شریف میں حضرت برادر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن صلحنامہ کی عبارت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ رہے تھے جب انہوں نے صلحنامہ کی یہ سرخی لکھی کہ هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ یہ وہ نکات ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا۔ تو کفار مکہ کے نمائندوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اس کاغذ پر رسول اللہ کا لفظ نہیں لکھا جاسکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان کو اللہ کا رسول ہی مانتے تو ان کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے۔ یہ سن کر حضور نے حضرت علی کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر جواب دیا۔ مَا أَنَا بِالسِّنِّیِّ أَمْحَاهُ۔ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا سکوں حضرت علی کا یہ جواب سن کر حضور نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو قلمزد کر دیا اور اس کی جگہ پر ابن عبد اللہ لکھا۔

اب ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف نے علم و عقیدت

کے جو جو ہرات بکھرے ہیں ان کی چمک سے اپنی بصیرت کا نور بڑھائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو پیچھے بیٹھنے سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ کا لفظ مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر ان دونوں حضرات سے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ حالانکہ حق تعالیٰ کا صاف و صریح ارشاد ہے کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ رسول تمہیں جس بات کا حکم کریں اُسے کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور دوسری آیت میں ارشاد باری ہے کہ ہر کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم صادر ہو جائے تو وہ اس سے سرتابی کریں۔

یہاں ایک ظلمان پیدا ہوتا ہے جس کے ازالہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات سے عدول حکمی عمل میں آئی اور وہ بھی اس موقع پر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس موجود ہیں اور رو برو حکم دے رہے ہیں۔

اور اس بات کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا کہ ایک اشارے پر جان دیدینا ان کے لئے کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضور انھیں تنبیہ فرماتے بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی۔

اب اس ظلمان کا ازالہ اسی طرح کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کا پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ ایسا با فروغ تھا کہ اس کے مقابلے

میں عدول حکمی قابل التفات نہ ہوئی۔

اب ذرا صورت حال کی کشمکش کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف بہ نفس نفیس سید المرسلین آمنے سامنے حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف دل پر ادب کا اس قدر تسلط ہے کہ کہ تعمیل حکم کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں میں حرکت ہوتی ہے۔ آخر ان دونوں صدیقیوں کو ادب کی شہ پر وہی کرنا پڑتا ہے جو ادب کا مقتضا تھا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں ادب ہی کو ترجیح ہوئی تو دین میں ادب کا مقام کتنا بلند ہے؟ (ص ۲۳۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شبوہ ادب

کنز العمال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اپنا داہنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اس دن سے آج تک میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

اور کنز العمال ہی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک دن حضور کسی باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مکان میں رونق افروز ہوئے۔ اسی درمیان دروازے پر ایک شخص نے دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو۔ اور یہ خبر بھی دیدو کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا تو دروازے پر حضرت ابو بکر صدیق کھڑے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی آنے والے نے دروازے پر دستک دی، حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو اور اسے اس کی بھی خبر کر دو کہ میرے بعد اسے میرا

خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عمر فاروق کھڑے ہیں۔
 راوی کہتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو اُسے جنت کی بشارت دو اور اُسے یہ خبر بھی پہنچا دو کہ عمر کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے اور وہ قتل کئے جائیں گے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عثمان کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں کبھی کسی گانے بجانے کی محفل میں شریک نہیں ہوا اور نہ میری زبان کبھی جھوٹ پر آمادہ ہوئی۔ اور جس دن سے میں نے اپنا داہنا ہاتھ حضور کے دست مبارک میں دیا اس دن سے آج تک اُس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضور نے فرمایا۔ یہی بات ہے عثمان۔ یعنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی میں تمہاری مقبولیت ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ ایمان افروز نکات ملاحظہ فرمائیں جن سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اس میں کس قسم کا اثر دست مبارک کا رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔

باطن کا حال تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے اہل ہیں لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے عقل متوسط تسلیم کر لے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا تو وہ بالکل دوسری بات ہے۔ غرض کچھ بھی یہی کسی مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمان کے اس فعل پر اعتراض کر لے۔ اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ السلام کی رضامندی کی ہر ٹگی ہوئی ہے۔ پھر

یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف اُہنی کا تھا بلکہ اس قسم کی باتیں اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکی لیکن اعتقاد مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے مس سے شرافت حاصل ہو گئی اس میں کسی نہ کسی طرح کی فضیلت ضرور آگئی۔

تبصرہ کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے :

پھر دوسری بحث طلب بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں کونسی ایسی برائی رکھی تھی کہ وہاں متبرک ہاتھ لے جانا مذموم سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے دوسرے اعضا کی طرح۔

البتہ اس عضو میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ طبعی ہے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طبعی کراہت کو بھی ادب نے اتنا بڑھایا کہ شرعی کراہت سے بھی زیادہ اس کی حس بڑھ گئی اور ساری عمر وہ اس فعل سے بچتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا اثر دکھانے میں نہ وہ کسی امر کا منتظر ہے اور نہ کسی نظیر کا محتاج ! بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوتِ راسخہ کا نام ہے جو ادب کرنے والوں کو معظم کے آگے جھکنے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (ص ۲۴۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب

کنز العمال میں حضرت عبدالرحمن ابن ابی لیبلی سے منقول ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا نام محمد تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے سنا کہ محمد نام والے شخص کو ایک آدمی بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر چلتے چلتے وہ رک گئے اور اس شخص کو جس کا نام محمد تھا اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نام کی وجہ سے نام پاک کی بے حرمتی ہو رہی ہے اس لئے آج سے میں تمہارا نام بدل رہا ہوں۔ اب آج کے بعد سے تم بجائے محمد کے عبدالرحمن کے نام سے پکارتے جاؤ گے۔

اس درمیان میں حضرت عمرؓ کی نظر حضرت طلحہ کے بیٹے پر پڑی ان کا نام بھی محمد تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کا نام بھی بدلنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام حضور نے محمد رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ پر سکتہ طاری ہو گیا اور فرمایا اب تمہارا نام کوئی نہیں بدل سکتا۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف اپنی غیرت ایمانی کا جلوہ دکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کو گالیاں دیئے جانا انہیں گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے نام لے کر گالی دی جس سے نام کی توہین کا سوال اٹھتا بلکہ اس نے تو اس کی ذات کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے ساتھ خدا ایسا کرے ویسا کرے۔ اس سے نام کی توہین کیسے نکل آئی؟

اب اس کی اصل وجہ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا نام محمد رکھو اس کی بے حرمتی مت کرو۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ نام کی وجہ سے اس کی ذات میں

بھی کسی نہ کسی طرح کی شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے لیکن جب اس باب میں صراحت حدیثیں وارد ہیں تو اہل ایمان سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ حضور کے ارشاد کے مقابلے میں عقل کی سنیں۔ ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت نے فرما دیا اسے بے چون و چرا مان لیا۔ اگر وہ عقل کے مطابق ہے تو فہما ورنہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس چیز کا مکرم و محترم ہو جانا شارع پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔

۲۶۲

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک وریوہ ادب

کثر اعمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دیہاتی حضرت ابو بکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا نہیں میں خالفہ ہوں۔ جو ہری نے مختار الصحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب آپ نے اپنے کو اس لفظ کا مصداق نہیں سمجھا۔ اور اس لفظ کو ایک ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔ اب اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ حق افروز اور باطل سوز تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

جب حضرت ابو بکر صدیق جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کو نسا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ

بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر اپنے آپ کو وہ لوگ حضور کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو حضور کے وہ فضائل و خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئے، ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گے۔

اور اگر اپنے برابر کر کے وہ حضور کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تو ان لوگوں پر ان کُنْتُمْ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی راہ نہیں ہے۔ (ص ۲۳۲)

ایک ہی شیوہ ادب متعدد اکابر صحابہ کا

دلائل النبوة میں حضرت قباث لیشی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے جن کی ولادت حضور سے پہلے ہوئی تھی کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ! انھوں نے جواب دیا کہ هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَسَنُّ مِنْهُ۔ بڑے تو وہی ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے۔

اسی طرح کی روایت دلائل النبوة میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی نقل کی گئی۔ ان سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تو انھوں نے بھی جواب میں کہا هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَسَنُّ مِنْهُ فِي الْهَيْلَاد۔ بڑے وہی ہیں صرف میری پیدائش ان سے پہلے ہے۔ اسی طرح کا شیوہ ادب ابن عساکر اور ابن بخار نے حضور کے چچا حضرت عباس کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ان سے بھی کسی نے پوچھا تھا کہ أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ آپ بڑے ہیں یا رسول پاک۔ تو انھوں نے بھی جواب میں یہی کہا تھا۔ بڑے وہی ہیں میں صرف پہلے پیدا ہوا ہوں۔ اور اسی طرح کی روایت صاحب کنز العمال نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی نقل فرمائی ہے کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے خود ان سے دریافت کیا کہ میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو۔ تو انہوں نے کہا ادب سے جواب دیا اَنْتَ الْكَبْرُ وَالْكَرَمُ وَاَنَا لَأَسْنٌ مِّنْكَ آپ ہی بڑے اور بزرگ ہیں، میری تو صرف عمر زیادہ ہے۔

اب ان ساری روایات کے ذیل میں حضرت مُصَنَّف کے نورانی احساسات کے افق پر عشق و ایمان کی طلوع ہوئی صبح صادق کا یہ منظر دیکھئے۔ فرماتے ہیں :

اب اس ادب کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ الْكَبْر اور اَسْنٌ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے صراحتہً اس کی نفی کر دی اور مجبوراً لفظ اَسْنٌ کا ذکر کیا۔ کیونکہ صراحتہً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی لفظ نہ تھا۔

پھر قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی تعظیم و تکریم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر جو بارگاہ رسالت کے سب سے مقرب اور معتد کہے جاتے ہیں جب ان حضرات کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم لوگوں کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ (ص ۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شبوہ ادب

بخاری شریف میں حضرت ابو رافع سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ شریف کی کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہو گیا۔ حضور کو دیکھتے ہی وہ چھپ گئے جب تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو حضور نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی۔ اس حالت میں مجھے آپ کے سامنے آنا خلاف ادب محسوس ہوا۔ یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا سُبْحَانَ اللَّهِ :

مومن نجس نہیں ہوتا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز بیان پڑھے:
رسناد فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ جو اس حالت میں الگ ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرت کی ان کے دل میں تھی جس نے ان کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب بدمجبور کر دیا تھا۔ آخر وہ بھی جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا امر حکمی ہے۔ حستی نہیں ہے کہ دوسرے کو اس سے کراہت محسوس ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

پر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے سے کونسی چیز انھیں مانع ہوئی۔ سوا اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ صرف فرط ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ اگر ان کا یہ فعل حضور کو ناگوار ہوتا تو حضور صراحت کے ساتھ انھیں منع فرما دیتے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہ کریں لیکن حضور اس نکتہ سے واقف تھے کہ مومن کا نجس نہ ہونا تقاضائے ادب کے لئے مانع نہیں ہے۔

(۲۴۲)

عام صحابہ کرام کا شیوہ ادب

مستدرک اور حاکم میں حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جب حاضر ہوتے تھے تو فرط ادب سے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور مستدرک ہی میں حضرت عبدالرحمن ابن قوط سے یہ روایت بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر اس طرح ساکت و جامد بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں۔

قریب جا کر دیکھا تو ان کے پیچ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور حضور کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ روح پرور تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ اس نے ان حضرات کے مسلک سے ہمیں کتنا دور کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے ان کے قلوب ایسے مؤدب و مہذب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے طرح طرح کے طریقے وہ خود اپنی طبیعت سے ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر انھیں منطبق کر لیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانے میں آسانی نہ ہو سکے۔ غرض وہ ہر قسم کا ادب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی خیر القرون کا یہ حال تھا اور اب آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ ان حضرات کے اتباع میں اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔

حضرت اسلم ابن شریک کا شیوہ ادب

امام طبرانی نے اسلم ابن شریک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات سفر میں مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی درمیان میں حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں بہت کسر مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں۔ ایک طرف سخت سردی کی

رات میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہوئے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف کسی طرح طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا۔ انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

قافلہ روانہ ہو جانے کے بعد میں نے کسی طرح پانی گرم کیا اور غسل کرنے کے بعد تیز تیز چل کر قافلہ سے جاملا۔ حضور نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ آج کیا بات ہے کہ کہ میری اونٹنی کا کجاوہ کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہانے کی حاجت پیش آگئی تھی۔ اس لئے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ مجبوراً اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی اور آج اس نے کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ اسی موقعہ پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس میں سفر کی حالت میں غسل جنابت کے لئے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔
اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گرانمایہ کلمات ملاحظہ فرمائیے :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ ہوا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت تحقیق ایمان کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو دھویں صدی والا خوش عقلمی میں خیر القرون والے صحابہوں سے بڑھ جائے۔

تھر اگر بات بڑھائی جائے تو یہ سلسلہ وہاں تک پہنچ جائے گا

جہاں سب کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس بات کا ذکر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہو جائے اور اسی کے بعد صورت حال کی مناسبت سے قرآن کی آیت بھی نازل ہو جائے تو اب اس فعل کے قابلِ تحسین ہونے میں کیا شبہ ہے۔

الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو بزرگانِ دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہی محمود ہے۔ (ص ۲۴۳)

حضرت برادر ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ ادب

سنن ابی داؤد میں حضرت عبد ابن فیروز سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک دن حضرت برادر ابن عازب سے دریافت کیا کہ کن کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے۔

انہوں نے کہا کہ حضور ایک دن ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور خطبہ کے دوران اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اور میری انگلیاں حضور کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد اب حضور کا ارشاد نقل کیا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، ایک وہ جس کی آنکھ بھوٹی ہو، دوسرا وہ جو سخت ہمارا ہو، تیسرا وہ جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو، اور چوتھا وہ جو نہایت لاغر ہو۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں نمایہ احساسات ملاحظہ فرمائیں۔

حضور نے اپنے خطبہ کے دوران اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ حضرت برادر ابن عازب کو ان کے شیوہ ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضور کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔ اس لئے درمیان

میں انہوں نے سلسلہ کلام کو توڑ دیا اور جملہ معترضہ کے طور پر کہا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جنہیں حضور کی انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے۔ نہ بظاہر اس میں کسی طرح کی مساوات کا شائبہ ہے اور نہ سوراہ ادب! لیکن اس کے باوجود صحابی کے شیوہ ادب نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آتی تھی۔

اہل ایمان کے لئے یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ حضور نے صحابہ کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا ادب کریں لیکن ان کا شیوہ ادب خود ایمان کا تقاضا محسوس کر لیتا تھا۔

(ص ۲۳۷)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا شیوہ ادب

بخاری شریف میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ام عطیہ کی عادت تھی کہ وہ حضور کا نام لیتے وقت فداہ ابی و امی کہا کرتی تھیں یعنی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ یہی شیوہ ادب اکثر صحابہ کا بھی تھا۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی اور وصال شریف کے بعد بھی۔ اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ روبرو روبرو غائبانہ بعد وفات شریف بھی وہ ادب ملحوظ ہوتا تھا کہ جب تک اپنے ماں باپ کو فدا نہیں کر لیتے تھے صحابہ کرام حضور کا نام مبارک نہیں لیتے تھے۔

حضرت امام مالک کا شیوہ ادب

در منظم میں ابن حجر، بیہقی نے اور کتاب الشفاء میں قاضی عیاض نے ابن حمید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار خلفائے عباسیہ کے سلسلے کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور کے ساتھ حضرت امام مالک کا کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ گفتگو مسجد نبوی شریف کے صحن میں ہو رہی تھی۔ اثنائے گفتگو میں ابو جعفر منصور کی آواز بلند ہو گئی۔ اس پر حضرت امام مالک نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے پر اُن لوگوں کی تنبیہ فرمائی جو آپ سے کہیں بہتر تھے۔ اور ان لوگوں کی مدح سرائی کی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنی آواز پست رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں کی مذمت کی جو حجرہ شریف کے باہر سے آواز بلند آپ کو پکار رہے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا یہ حکم جس طرح حضور کی حیات ظاہری میں تھا اسی طرح آج بھی ہے۔

حضرت امام مالک کا یہ ارشاد سنتے ہی خلیفہ ابو جعفر منصور کی گردن فرط ادب سے جھک گئی۔ پھر اس نے حضرت امام مالک سے سوال کیا کہ حضور کے مواجہ شریف میں دُعا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کروں یا حضور کی طرف!

فرمایا اس ہستی کی طرف سے اپنا منہ مت پھیرئے جو قیامت کے دن آپ اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لئے آپ حضور ہی کی طرف منہ کر کے اُن سے شفاعت و سفارش طلب کیجئے۔ کیونکہ خداوند قدوس نے انہی کی سفارش پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ گراں قدر افادات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب ان حضرات کے اعتقادات کو دیکھئے کہ حضرت امام مالک نے آواز بلند کرنے کے سلسلے میں سورہ ہجرات کی جن آیات سے استدلال کیا اس کے متعلق خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فَوْقِ صَوْتِ النَّبِيِّ

اور یُنَادُوْنَكَ کے معنی یہاں کیونکہ صادق آتے ہیں۔
 پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف جاہل تھا بلکہ نہایت کامل اعقل
 اور فقیہ النفس عالم جمید تھا۔ مگر امام مالک کے استدلال میں اس درجہ
 قوت تھی کہ خلیفہ ساکت و مبہوت رہ گیا۔
 اگر اس زمانے میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو
 صد ہا شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت امام
 مالک کا مقام علم و فضل اتنا بلند ہے کہ ان کے شاگردوں کے
 شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔
 اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں
 کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہو سکے گا کہ معترض کی رائے کو
 امام مالک کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالک وہ شخص ہیں کہ
 جن کے شاگردوں کا شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر
 محدثین کو فخر ہے۔ پھر اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کر کے حضور کے
 بارے میں کوئی غلط دعویٰ کرے تو اس کا ابطال ان احادیث شریفہ
 سے ہو جائے گا جن میں خیر القرون ہونا اس زمانے کا اور کم ہو جانا
 علم کے آخری زمانے میں وارد ہے۔

اور مسجد نبوی شریف کے آداب ہی کے سلسلے میں امام بخاری
 نے حضرت سائب ابن زید سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے جس میں
 انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں ایک بار مسجد نبوی شریف میں کھڑا تھا
 کہ مجھے کسی نے گنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت
 عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو
 انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ سامنے جو دو آدمی بیٹھے ہیں انہیں میرے
 پاس بلا کر لاؤ۔ جب میں ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو انہوں
 نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم

طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم حضور کی مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔
(ص ۲۵۱)

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا۔ باوجودیکہ سائب ابن یزید چنداں دور نہ تھے لیکن اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام آداب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ لحاظ اگر صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں) کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل مدینہ کے لئے خاص فرمایا جنہیں مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی تو مسجدیں تھیں۔ یہیں سے وہ بات بھی ثابت ہو گئی جو امام مالک نے خلیفہ منصور سے کہا تھا کہ حضور کی عزت و تکریم وصال شریف کے بھی ویسی ہی فرض ہے جیسی حیات ظاہری میں تھی۔ (ص ۲۵۱)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب

حضرت امام سیوطی نے تنزیہہ الانبیاء میں امام سبکی کی کتاب التریح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی نے اپنی بعض تصانیف میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں واقع ہوا تھا کہ کسی شریف عورت نے کچھ چرا لیا تھا اور حضور نے چوری کی سزا میں اسی کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اس پر کسی صاحب نے حضور سے سفارش کی۔ اس موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم صادر کرتا۔

امام شافعی کے انداز بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں اس مقام پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے اگر بعینہ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہیں تھی لیکن امام شافعی نے ازراہ کمال ادب ان کا نام نہیں لیا بلکہ نام کی جگہ فلاں عورت کہا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ باوقار تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔
ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیدہ کا نام مبارک جو حدیث میں وارد ہے وہ نَسُو (اگر) کے ساتھ ہے جس کا اطلاق کسی محال چیز پر برسبیل فرض محال ہوتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں وہ مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتاً ذکر کریں۔

سچ کہا ہے لوگوں نے کہ جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں انہی

کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں یہ صلاحیت کہاں۔ (ص ۲۳۳)

حضرت ابو ایوب سختیانی کا شیوہ ادب

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام مالک سے پوچھا کہ ابو ایوب سختیانی کا کیا حال تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے اساتذہ میں وہ سب سے افضل تھے۔ انہوں نے دو حج کئے اور میں دونوں باران کے ساتھ تھا۔ سفر کے دوران جب بھی ان سے کسی حدیث کی روایت سنی تو حضور کے ساتھ ان کی و الہانہ محبت کا یہ عالم دیکھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ و الہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی غیرت ایمانی کا یہ جلوہ ملاحظہ فرمائیے۔

ارشاد فرماتے ہیں۔

سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے معاصرین سے انہیں افضل بنا دے اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ ذکر پاک کی مجالس ہی نہ منعقد ہونے پائیں ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کے برکتوں سے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟

(ص ۲۳۷)

نام مبارک کی تعظیم کا حکم

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کی تعظیم و تکریم ایمان کا مقتضی ہے اسی طرح حضور کے نام پاک کی تعظیم و توقیر کا بھی حکم وارد ہوا ہے جیسا کہ صاحب کنز العمال نے نام پاک کی تعظیم و تکریم سے متعلق پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی حدیث

حضرت بزار سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابو رافع سے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے مارو مت اور اسے محروم نہ کرو۔

دوسری حدیث

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم و توقیر کرو اور جب وہ مجلس میں پہنچ جائے تو اسے بیٹھنے کی جگہ دو۔

تیسری حدیث

حضرت ولیدی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے محروم مت کرو کیونکہ محمد کے نام میں برکت دی گئی ہے یہاں تک کہ اس گھر میں بھی برکت دی گئی ہے جس میں محمد

نام کا کوئی شخص رہتا ہو۔

پوکھی حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُسے گالیاں بھی دیتے ہو۔

پانچویں حدیث

پانچویں حدیث بھی حضرت انس ہی سے مروی ہے جس میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُس پر لعنت بھی بھیجتے ہو۔
حضرت فاضل مصنف ان پانچوں حدیثوں کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں۔ ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نام مبارک کی تعظیم و ادب کے ساتھ ساتھ نام والے کا بھی ادب و احترام کرنا چاہیے۔ (ص ۳۵)

تعظیم نام محمد کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حضرت وہب ابن منبہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت بدکار شخص تھا۔ اس نے سو برس تک خدا کی ایسی ایسی نافرمانی کی اور خدا کی مخلوق پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کے ظلم و شقاوت اور بدکاریوں کی وجہ سے اسے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ نہایت حقارت و ناقدری کے ساتھ لوگوں نے اس کی لاش کو ایک کوڑے خانے پر لاکر پھینک دیا جہاں گاؤں بھر کی نجاست و غلاظت ڈالی جاتی تھی۔

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ خداوند ذوالجلال کی طرف سے انھیں حکم

صادر ہوا کہ فلاں گاؤں کے کوڑے خانے پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اُسے وہاں سے اٹھا کر عزت و تکریم کے ساتھ فوراً کسی قبرستان میں دفن کرو۔

وہاں پہنچنے کے بعد جب لوگوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی سیہ کاریوں اور ظلم و شقاوت کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کی جناب میں عرضی پیش کی کہ گاؤں کے سارے لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص سو برس کی طویل مدت تک تیری نافرمانی کرتا رہا یہ اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا یہ کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوا لوگ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک خوبی کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور جنت کی ستر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

وہ خوبی یہ تھی کہ جب بھی وہ تو رات کھولتا تو نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتا آنکھوں سے لگاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عنایت بیکراں پر حیران رہ گئے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اگر اُس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والے عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔

غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرے تو ہم خاص علاموں کو اس سے کس قدر توقع ہوگی۔ اس پر بھی اگر نام مبارک کو دیکھ کر اور سن کر کبھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔ (ص ۲۶۶)

مسئلہ

نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کی بحث

نام پاک سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کے مستحب ہونے پر حضرت
فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز بحث دل کی گہرائی سے بڑھنے کہ وہ بیماروں کی شفا یابی
اور صحت مند دلوں کی تقویت کا باعث ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے :

(۱)

تفسیر روح البیان میں ہستانی، شرح کبیر محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے
کہ جب مؤذن پہلی بار اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو سننے والوں کو
چاہیے کہ وہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہیں۔ اور جب دوسری بار
اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو سننے والوں کو چاہیے کہ انگوٹھوں کے
ناخن آنکھوں پر رکھ کر قُرْآنَ عَيْتِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہنے کے بعد اللّٰهُمَّ مَتَّعْنِيْ
بِالشَّهْرِ وَالْبَصْرِ پڑھیں۔

اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ اور مضمرات میں لکھا
ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نور محمدی کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو
حق تعالیٰ نے اپنے جیب کے نور کو ان کے دونوں ناخنوں میں جلوہ گر فرمادیا اور انھوں
نے انھیں بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ اور ان کی یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی

پھر جبریل علیہ السلام نے جب یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔

امام سخاوی نے اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں دہلی کی مسند الفردوس سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کہ یہ تھی کہ جب وہ مؤذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ سُنْتے تو اس کے جواب میں ارشاد فرماتے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدٌ وَّرَسُوْلُهُ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا۔ اس کے بعد کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصے پر بوسہ دیتے اور انھیں اپنی آنکھوں سے لگاتے۔

اور کہا راوی نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا نام سن کر جیسا کہ میرے دوست ابو بکر نے کیا ویسا جو بھی کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی اور اسی طرح کی حدیث حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرواد نے اپنی کتاب موجبات الرحمة و عزائم المغفرة میں حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کے کلمہ شہادت کے جواب میں کہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر اپنے انگوٹھوں کو بوسے اور انھیں اپنی آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

پھر روایت کی ابو العباس نے اپنے بھائی فقیہ محمد ابن البابا سے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک چھوٹی سی کنکری ان کی آنکھ میں بڑ گئی۔ بہت کوشش کے باوجود کنکری آنکھ سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ جب آنکھ دکھنے لگی تو مؤذن سے کلمہ اذان سن کر حدیث پر عمل کیا فوراً ہی کنکری نکل آئی۔ رواد کہتے ہیں کہ یہ بات حضور کی بڑی بڑی فضیلتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

یہاں تک مقاصد حسنہ کی عبارت تھی اب مصنف کتاب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے

الحاصل دین و دنیا میں ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا یقیناً اس کے دین میں کہیں نہ کہیں رخنہ ضرور ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں یہ گستاخانہ جملہ کہا تھا کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں اور جس کے نتیجے میں وہ مردود بارگاہ کبریائی ہوا، اسی وقت سے اولاد آدم کی عداوت اس کے دل میں جم گئی اور باپ کا انتقام اولاد سے لینے کے لئے مختلف قسم کی تدبیر اس نے سوچی۔

مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں زبردست اثر رکھتی ہے۔ اس لئے اس نے ان اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہتے رہے کہ تم ہماری ہی طرح ایک بشر ہو۔

گہرائی میں اتر کر سوچئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں تھی۔ اگر کسی قدر فرق ہے تو تابع اور متبوع کی ہمتوں میں ہے۔ (۲۷۵)

اس کی عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد

فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام نے ہزار ہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جننے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت

کو مان لیا اور مسلمان ہو گئے ان سے کسی قدر اسے مایوسی ہوئی۔ کیونکہ
 ان سے تو وہ بے باکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی۔
 اب بہت غور و فکر کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس
 نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو راست گوئی کا نام دیا۔
 اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے
 احمقوں کے دماغ میں اتار دیتا ہے۔ اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا
 ہے کہ راست گوئی کی دُھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا
 خیال رہتا ہے اور نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ (ص ۲۷۵)

تاریخ فتنہ و ہابیت

حضرت فاضل مصنف نے احادیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس احساس کے تحت انہوں نے اس بحث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے اس فتنہ کی کھول کھول کر نشاندہی فرمائی ہے اور احادیث کی کتابیں ان روایات سے بھری پڑی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لئے علم کی دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اُسے عوام کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو وہ اس فتنہ کی زد سے بچا سکیں تو بچا سکیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور انور اموال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا حضور کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور نہایت گستاخانہ جسارت کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ انصاف سے مال غنیمت تقسیم کیجئے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخانہ حملے پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں انصاف نہ کروں تو اس دنیا میں کون انصاف کرنے والا ہے۔ اگر میں انصاف نہ کروں تو یقیناً تو محروم و نامراد ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی۔ وہ فطرتاً ہی میں اپنی تلوار بے نیام کر کے کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت چاہی کہ میں اس گستاخ کا سر قلم کر دوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی نسل سے ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گا جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی

نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار کو چھیدتا ہوا تیر نکل جاتا ہے اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے کنز العمال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس گروہ کی علامت سر منڈانا ہے۔ اور یہ گروہ روپ بدل بدل کر نکلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔

اب حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ پڑھئے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے اس کی پیشانی میں گتہ پڑ گیا تھا۔ ان احادیث میں تامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال بدترین مخلوقات ٹھہرے۔ وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور طبعی گستاخی کے اور کوئی نہیں نکلے گی۔
(انوار احمدی ص ۲۸)

اسی مضمون کی تیسری حدیث حضرت امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک سینگ کاٹی جائے گی تو دوسری سینگ نکل آئے گی یعنی جب ایک فرقے کا نام و نشان مٹ جائے گا تو دوسرا فرقہ ظہور کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ بیان چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے
اور وہابی بھی مشرق ہی کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ غالباً یہ وہی فرقہ
ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (انوار احمدی ص ۳۰۷)

وہ حدیث یہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے
ملک شام اور ملک یمن میں برکت دے۔ اس موقع پر ملک نجد کے لوگ بھی موجود
تھے، انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی
دعا فرمائیں۔ حضور نے پھر ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی
جب جب دوسری بار پھر نجد کے لوگوں نے اصرار کیا تو حضور نے حقیقت کے چہرے سے
نقاب الٹ دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں
سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریفین
میں نقل کیا ہے۔
اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ حقیقت افزہ تبصرہ پڑھئے۔

اس حدیث شریفین سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نجد سے
فتنے برپا ہوں گے۔ اور اوپر کی حدیث میں گزر آ کہ وہ لوگ مشرق سے
نکلیں گے اگرچہ مشرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے
مشرق ہی میں واقع ہے لیکن مدینہ شریف کے عوام اور خواص نجد ہی
کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد
میں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں
منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم

ہوا اور دوسری یہ کہ وہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد کوئی وہاں سے واپس نہیں لوٹے گا۔ (الوار احمدی ص ۳۱)

اس مضمون کی متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد حضرت موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ مسلمانوں کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ مسافروں کے راستے کے منگین خطرات سے باخبر کرنے والا دشمن نہیں ہوتا، یہاں مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جان سے زیادہ قیمت ایمان کی ہے کیونکہ جان اگر ضائع ہو جائے تو مرنے کے بعد پھر مل جائے گی لیکن ایمان ضائع ہو گیا تو دوبارہ اس کا حصول ناممکن ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھ کر حضرت فاضل مصنف کا یہ تبصرہ پڑھئے۔

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی خرابی اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے مجتہد صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں یہ لوگ محبوبان بارگاہ الہی کی نہ صرف توحید کرتے ہیں بلکہ اصول دین کی طرح دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے غیرت الہی انھیں اپنے غضب کا نشانہ بناتی ہے۔ (الوار احمدی ص ۳۱)

اس فرقے کا بانی محمد ابن عبد الوہاب نجدی ہے۔ ذوالنویصرہ نام کا مشہور گستاخ جس کا ذکر کئی حدیثوں میں آیا ہے، وہ قبیلہ بنی تیم سے تھا۔ اور ابن عبد الوہاب بھی تیمی ہے۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ اسی کی نسل سے ہو۔ اس فرقے کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نہایت التزام کے ساتھ اپنے سر کے بال منڈوائیں گے۔ حضرت فاضل مصنف نے شیخ عبد الرحمن اہرل مفتی زہید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عبد الوہاب نجدی کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ نشانی بہت کافی ہے جس

کی خبر محبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ سرمنڈ وایا کریں گے۔ اس فرقہ کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں انہیں حالات و واقعات پر منطبق کرنے کے بعد حضرت فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ محبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم فرقہ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں حضور نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی گئی ہیں۔ ان احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت علامہ زینبی دحلان مکی کی مستند کتاب "الدُّرُّ الرَّاشِدِيَّة" میں اور بھی بہت سی علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرقہ وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جدا گانہ قرار پایا اور وہ فرقہ اپنے بانی کی طرف منسوب ہوا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس انہیں ضرور برا بھلا کہیں گے اور اس میں حضور کے نام مبارک کے لفظ کی توہین ہوگی اس لئے وہ وہابی کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔

(انوار احمدی ص ۳۱۴)

اب اس فرقہ وہابیہ کے بانی اور اس کے ساتھیوں نے اہل حق پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور منصب رسالت کی تنقیص کر کے اہل اسلام کی جودل آزاریاں کی ہیں، ان کی تفصیلات فاضل مصنف کے قلم سے بڑھنے۔ کلیجہ تڑپے گا، آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکے گی، جذبہ عقیدت بجرور ہوگا اور فرط غضب سے دل کا عالم زیر و زبر ہونے لگے گا لیکن یہ پوری کہانی صبر و ضبط کے ساتھ آپ کو بڑھنی ہے تاکہ رسول دشمنی کے کردار سے آپ پوری طرح واقف ہو جائیں۔ فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

"خوارج کی طرح اس فرقہ کو بھی عمل میں نہایت غلو تھا۔ یہاں تک کہ

تارک فرض کو یہ لوگ کافر اور حلال الدم سمجھتے تھے۔ عقیدہ توحید میں وہ اس قدر منشدد تھے کہ یا رسول اللہ کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو یہ لوگ کافر سمجھتے تھے۔

”ابن عبد الوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی کا وسیلہ پکڑے وہ کافر ہے۔ اور زیارت قبور کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک قافلہ مقام احسا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا، واپسی کے وقت جب وہ قافلہ ”درعیہ“ پہنچا جہاں ابن عبد الوہاب کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس نے ان لوگوں کی یہ سزا مقرر کی کہ ان کی ڈاڑھیاں منڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی کے ساتھ انھیں سوار کر آیا جائے کہ ان کا منہ دم کی طرف ہو۔ تاکہ اس بات کی اچھی طرح تشہیر ہو جائے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جئے اس کی یہ سزا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر اجتناب تھا کہ دلائل الخیرات شریف کی سینکڑوں جلدیں جلادی گئیں۔ ایک نابینا شخص مسجد کے مینارے پر کھڑے ہو کر صلاۃ و سلام پڑھتا تھا اسے قتل کر دیا گیا۔

ابن عبد الوہاب کہتا تھا کہ جمعہ کی رات اور دن میں جو شخص درود پڑھتا ہے وہ دوزخی ہے۔ جو حضور کے نام پاک کے ساتھ سیدنا کا لفظ لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ کبھی کہتا کہ مجھے قدرت ملی تو میں گنبد خضرا کو ڈھا دوں گا۔ وہ کہتا تھا کہ میری لاکھی حضور سے بہتر ہے کہ اس سے میرا کام نکلتا ہے۔“

(انوار احمدی ص ۳۱۶)

ایک انتہائی عبرتناک واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ کے نام سے حدیث کی

ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں حضرت

ابو طفیل کی روایت سے ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اسے چشم بصیرت

سے پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ بد عقیدوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر دین و ایمان کی برکتوں پر کیا پڑتا ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب حضور کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا تو حضور نے اُسے دُعا دی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیا یا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی پر اتنے خوبصورت بال آگئے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے۔

جب وہ لڑکا جوان ہوا اور اُن خوارج کا زمانہ آیا جن کی بد عقیدگی اور گستاخی بہت ساری حدیثوں میں مذکور ہے۔ آج کی تبلیغی جماعت کی طرح اس وقت کے خارجی بھی طرح طرح کی ترغیب دے کر نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شامل کرتے تھے۔ بد قسمتی سے وہ نوجوان بھی ان کے بہکاوے میں آگیا اور ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی کے سارے بال جھڑ گئے۔

اس کے باپ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اسے گھر میں قید کر دیا، حضرت ابو لطفیل فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس نوجوان کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ ان کی صحبت کی نحوست کا اثر تم نے دیکھ لیا کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا ہم اُسے ہر طرح سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل سے ان کی محبت نکل گئی اور ان کے عقائد سے اس نے توبہ کرنی تو دست مبارک کی وہی نشانی پھر اس کی پیشانی میں حق تعالیٰ نے پیدا کر دی۔

(انوار احمدی ص ۳۰۴)

اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ
اس حدیث کے ذیل میں حضرت
فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں :
ایک یہ کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ گیا
اس مقام کو ہمیشہ کے لئے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہوگئی۔
دوسرا یہ کہ ان برکتوں کے ظہور کے لئے وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو
برگزیدہ ہوں پھر جہاں ان میں کسی قسم کی خرابی آگئی وہ برکت جاتی رہی
تاکہ طالبانِ حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ نیز اس طرح کا فیض انہی
لوگوں کو حاصل ہو سکتا تھا جو اہل حق ہوں اہل باطل اس سعادت
سے محروم رہتے تھے۔

تیسرا یہ کہ جس کو آنحضرت نے ازراہ شفقت دست مبارک لگا دیا
عقائد باطلہ کا اثر اس کے دل میں راسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس
واقعہ سے ظاہر ہے کہ باطل عقائد اس کے دل میں راسخ نہیں ہوتے
تھے اسی لئے اُسے توبہ نصیب ہوئی ورنہ احادیث کی صراحتوں
کے مطابق باطل فرقے کا اثر جس کے دل پر جم جاتا ہے وہ کبھی راہِ راست
پر نہیں آ سکتا۔ (انوار احمدی - ۱۳۰۵)

ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی

پچھلے اوراق میں حضرت فاضل مصنف کے قلم سے وہابی فرقے کی تاریخ آپ
پڑھ چکے۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کے مطالعے سے اتنی آگہی تو آپ کو ضرور ہوگئی ہوگی
کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ایک باطل اور گستاخ فرقہ روپ اور نام بدل بدل
کر ہر زمانے میں موجود رہا ہے جانب مشرق یعنی نجد سے جس فتنے کے ظہور کی حضور

نے خبر دی ہے یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک مخبر صادق کی خبر ہے۔ اس لئے آپ کا ایمانی فریضہ ہے کہ اُس گروہ کو آپ تلاش کریں، علامتوں کے ذریعے اسے پہچانیں اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ ہندوستان میں وہابی مسلک کے علمبرداروں کی نشاندہی کے سلسلے میں بجائے اس کے کہ ہم کوئی بات اپنی طرف سے کہیں انہی حضرات کا اقراری بیان ہم اس کتاب کے قارئین کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

پہلا اقراری بیان دیوبندی جماعت کے مقتدر پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلے کی چند عورتیں فاتحہ کرانے کے لئے مٹھائی لے کر مدرسہ میں آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کے بجائے مٹھائی لے کر خود کھالی۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بھائی! یہاں وہابی“ رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لئے کچھ مت لایا کرو۔“ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵)

دوسرا اقراری بیان دیوبندی جماعت کے دوسرے مقتدر پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

محمد ابن عبد الوہاب کے وہابیوں کو مقتدی کہتے ہیں۔ اُن کے عقائد عمدہ تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

تیسرا اقراری بیان تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین میں مولانا زکریا شیخ الحدیث سہارنپور، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور نعمانی کے نام سرورق پر ہیں:

”سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی“ نامی کتاب جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولانا منظور نعمانی، مولانا الیاس کے مرض الموت میں ان کی جانشینی کے مسئلے پر اپنی بیچنیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس دیوار کاراز فاش کرنے والی یہ کہانی پوری توجہ کے ساتھ پڑھیے۔

” ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں دعوتی کام کا مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا۔ اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی تھی۔“

(سوانح محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۰)

اس کے بعد اپنے بیان کے مطابق اگلے دن صبح کے وقت نعمانی صاحب نے مولانا زکریا سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنے ساتھیوں کی یہ تجویز رکھی کہ وہ تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے مرکز میں اپنا قیام منظور فرمائیں۔ اس سلسلے میں نعمانی صاحب اپنی گفتگو کا ایک نہایت اہم حصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس پورے واقعہ میں ان کی گفتگو کا یہی حصہ میری تحریر کا اصل مدعا ہے۔

اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے ہی دنوں بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ”ہم بڑے سخت وہابی ہیں“ ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہ ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے۔ یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے، یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے۔

(سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۲)

اب ذیل میں مولانا زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیں انہوں
 جو تھا اقراری بیان نے کہا کہ :

اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی
 کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم
 سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر
 کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ
 لو گے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔
 بس انتظار کرو! اللہ سے دعا کرو۔
 اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی
 صاحب ”میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں“ نہیں مشورہ دوں گا
 کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور درو دیوار کی وجہ
 سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔
 (سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۹۳)

تھانوی صاحب سے لے کر مولانا منظور نعمانی، اور مولانا زکریا تک تبلیغی جماعت
 کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ ہم وہابی ہیں ”میں بڑا سخت
 وہابی ہوں“ میں تم سے بڑا وہابی ہوں۔ کوئی دوسرا ان کے بارے میں یہ کہتا تو الزام
 سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یہ حضرات
 ”وہابی“ ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انہوں نے اپنی نجی گفتگو اور تنہائی
 کی ملاقات میں کیا ہے اس لئے اُسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی
 نہیں پیدا ہوتا۔ واضح رہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صراحت
 کے مطابق ابن عبد الوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو وہابی کہتے ہیں۔

اتنی مضبوط اور ٹھوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انگلی اٹھا کر دکھانے کی

ضرورت نہیں ہے کہ وہابی کون ہے۔ اور کون طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر
اپنے نبی کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ اگر صحیح ہے تو آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا
مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا لِيَؤْتِنَا غ



فن تصوف کا عظیم شاہکار

پہلے فیض پھر برائی

حالات و تعلیمات

تالیف

محمد حسین قصوری نقشبندی

ناشر

ادارہ علم و ادب

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلشرز

بدر پورہ کراچی

پنج پیر گورنمنٹ کالج
باغبانپورہ لاہور

مکتبہ فاروقیہ رضویہ